

مائے فی میں کنوں آکھاں

پاک سوسائٹی

ڈاٹ کام

نبیلہ عزیز

www.paksociety.com

www.paksociety.com

نیکلے عزیز

ماتنی میں کیسیں اگھال

”مومو مر جائے گی معظم! میں جانتی ہوں مومو مر جائے گی۔“

نہیں ہو گا۔ ”میراں بیگم نے سن کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی تھی۔

مسکھاتا ہوا

”ہوتی۔“ مسز ملکہ آفاق کو ایک اور دکھ نے دلایا۔
”ہو سکتا ہے آج تمہاری دعاؤں کی قبولیت کا دن ہو گا۔“

”نہیں آج ہی تو میری دعاؤں کے مسترد ہونے کا دن ہے۔“

وہ روتے روتے فرش پر بیٹھ گئی تھیں اور معظم جاہ اپنی جگہ پر بچہ کی مانند کھڑا تھا۔ وہ بھی تو مومو کے لیے دعا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا اس کے

”ملکہ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟“ میراں بیگم کے لیے جس حیرت نمایاں تھی باقی سب کا بھی یہی حال تھا۔
”وہی جو تم اک عمر بیٹنے سے لگا کے بیٹھی ہو۔“ مسز ملکہ آفاق کے لفظ لفظ سے زہر چک رہا تھا۔
”ملکہ! تم ہوش میں تو ہو؟ کیا کہہ رہی ہو تم؟“

مقدم جاہ حیرت سے آگے بڑھے۔ کیونکہ ان کی اس دیوانگی پر ہسپتال کی رابڈاری سے گزرنے والے لوگ

ہاتھ بھی اپنے پیاد میں ساکت تھے اور دل و دماغ اپنی اپنی جگہ پر مفلوج ہو چکے تھے۔ خواہشیں، انگلیں، زندگی سب سو گئے تھے اب یہ پتہ نہیں تھا کہ ہمیشہ کے لیے سوئے ہیرا یا پھر وقتی نیند ہے؟

”اللہ کی ذات سے یاروس نہیں ہوتے۔“ میراں بیگم نے ایک بار پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
”ہاں تمہیں اللہ نے ہمیشہ دیا ہے، میں مانگے دیا ہے، تمہیں بھلا کیوں مایوسی ہوگی؟ یا یوسی تو مجھے ہوگی جس کو کبھی مانگے بھی نہیں ملا۔“

مسز ملکہ آفاق روتے روتے یکدم پھٹ پڑی تھیں اور میراں بیگم حیرت اور نا سمجھی سے ہکا بکا لگتی تھیں۔

کافی عجیب اور حیران سی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ملک کی مشہور و معروف ڈریس ڈیزائنر ملکہ آفاق اس وقت بے بسی اور دکھ کے کس موڑ پر تھیں کوئی جاننے والا دیکھ لیتا تو رو پڑتا۔
”ملکہ۔۔۔!“ مقدم جاہ نے دوبارہ انہیں مخاطب کیا۔
”ملکہ مرغنی مقدم بھائی! ملکہ مرغنی! آج ملکہ مرغنی! آج ملکہ کا دل مر گیا، دنیا مرغنی! آج سب کچھ مر گیا۔“

ملکہ آفاق پاگلوں کی طرح ایک ہی تکرار کیے جا رہی تھیں ہاں سب کا دل مٹھی میں آ گیا۔
”ملکہ! ایلیزیا کل مت ہو مومو کو کچھ نہیں ہوا، وہ

”یہ چپ ہو جاؤں میراں! اندر میری مومو مر رہی ہے، موت کے منہ میں ہے وہ، بھولوں سی نازک ہے وہ، کہاں تاپ لاپائے گی؟“ مسز ملکہ آفاق تڑپ تڑپ کر رہی تھیں، وہ جین چکی تھیں کہ مومو کو کیا ہوا ہے اور اب کیا ہو گا؟ اور اس ہونے کا رد ہی انہیں رلا رہا تھا۔ چیخنے پر مجبور کر رہا تھا۔
”اللہ شفا دینے والا ہے، زندگی بخشنے والا ہے دعا کرو اس کے لیے، نا امید کیوں ہو رہی ہو؟“ میراں بیگم بار بار ان کی ہمت اور حوصلہ بڑھا رہی تھیں، تسلیاں دے رہی تھیں۔
”میری دعاؤں قبول ہوں تو آج وہ اس حال میں

مسز ملکہ آفاق معظم جاہ کا سر ہان پکڑے چیخ رہی تھیں۔ ان کا انداز بددیہانی سا ہو رہا تھا اور معظم جاہ چپ چاپ کھڑا ان کی یہ چیخ و پکار سن رہا تھا۔ یہاں کون جانتا تھا کہ مومو مرے یا نہ مرے لیکن اندر سے وہ دونوں ہی مر چکے ہیں، مسز ملکہ آفاق بھی اور معظم جاہ بھی۔
دکھ دونوں کا ایک ہی تھا بس درد الگ الگ تھے اور الگ الگ درد کی اذیت بھی الگ الگ تھی اتنی کہ وہ چیخنے جا رہی تھیں اور وہ چپ کھڑا تھا۔ اتنا چپ جتنی مومو۔ اور وہ اتنا چلا رہی تھیں جتنی مر رہی۔
”چپ ہو جاؤ ملکہ! اللہ بہتر کرے گا، مومو کو کچھ

ٹھیک ہے، وہ زندہ ہے۔" نشاط بیگم نے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ وہاں موجود تمام افراد میں سے صرف ایک معظم ہی تھا جس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا وہ مٹی سے بنا اک وجود تھا لیکن اس وقت پتھر نظر آ رہا تھا چپ اور جامد۔
"ڈاکٹر؟" آپریشن ٹیبلر کا دوران کھلا تو سب سے پہلی نظر معظم کی ہی پڑی تھی اور سب سے پہلے آگے بڑھنے والا بھی معظم ہی تھا۔

"گڈ مارننگ بام!" مومو تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔
"گڈ مارننگ سویت ہارٹ! آج اتنی جلدی کیسے اٹھ گئیں؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔
"وہ مہر نور معظم کے ساتھ شاپنگ پہ جانا تھا اس لیے معظم نے فون کر کے جگا دیا۔" وہ ان کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے لاڈ سے بولی۔
"اور تمہارا بیک فاسٹ؟"
"معظم کی طرف کروں گی۔" اس نے پروانی سے کہا۔

"لو کے سویت بام! اللہ حافظ۔" وہ ان کا رخسار چومتے ہوئے پیچھے ہٹی اور ہاتھ ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

وہ پیدل چلتی ہوئی اپنے گھر سے نکلی اور اپنے ماسوں مقدم جاہ کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس کا رخ ڈائنگ روم کی طرف تھا۔

"معظم۔" معظم؟ وہ اسے آوازیں دیتی ہوئی آ رہی تھی لیکن ڈائنگ روم خالی پڑا تھا۔

"مومو! بھائی اوپر اپنے کمرے میں ہیں۔" اریبہ نے کچن سے آواز دے کر اسے اطلاع پہنچائی تھی۔
"کوپر کیا کر رہا ہے؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"سورہ ہے۔"
"واٹ؟ لیکن مجھ سے تو کہہ رہا تھا کہ میں ناشتے کی میز پر ہوں؟ تم جلدی آ جاؤ۔" مومو کی بات پہ اریبہ مسکرائی تھی۔

"انہوں نے تمہارے ساتھ مذاق کیا ہو گا؟" ابھی تو انہوں نے ناشتا کیا ہی نہیں۔

"پوچھ لیتی ہوں اسے۔" مومو تلملاتی ہوئی میز چھایاں چڑھ گئی۔ اسے اپنی قیمتی نیند خراب ہونے پر غصہ آ رہا تھا۔

"معظم۔" اس نے دھڑام سے اس کے بیڈ روم کا دروازہ کھول دیا تھا لیکن وہ کمرے میں کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ وہ اندر آگئی تب ہی وہ ڈرنگ روم سے نمودار ہوتا دکھائی دیا تھا۔

"تم نے مجھے اتنی جلدی کیوں جگایا؟" وہ چیخ کر بولی۔

"شاپنگ پہ جانے کے لیے۔" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"تو خود اتالیق کیو تیار ہو رہے ہو؟" اس نے معظم کی تیاری کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بالوں میں جیل لگا کر نہیں کوئی اشائل دے رہا تھا۔
"شاپنگ پہ جانے کے لیے۔"

"ہیرو سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟" مومو نے اس پر تازیہ پوچھا۔

"ہیروئن سامنے کھڑی ہو تو بندہ اپنے آپ کو ہیرو سمجھ ہی لیتا ہے۔" اس نے مومو کو دیکھتے ہوئے آنکھ دبا لی۔

"مہر کہاں ہے؟" مومو بات کا رخ بدل گئی۔
"ہیروئن سے تمہیں مہر کیوں یاد آگئی؟" معظم نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیونکہ وہ ہیروئن لگتی ہے، پرانی ہیروئن، کلیموس سے پاک، ٹکھری ستھری، سلیقہ مند اور سلیبی ہوئی۔" مومو نے اس کی تعریف کی۔

"وہ ہیروئن لگتی ہے اور تم واقعی ہیروئن ہو۔" معظم نے شرارت سے کہا۔

"مجھے بسلاؤ مت، جلدی کرو۔" وہ کہتے ہوئے بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

"کیا تم بھل جاتی ہو؟"
"ہاں، مجھ پہ تو اثر ہوتا ہے باقیوں کا پتہ نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"تم پہ اثر کیسے ہوتا ہے؟" وہ تیار ہونے کے ساتھ اس سے باتیں بھی کر رہا تھا۔

"بالکل ایسے جیسے ابھی ہوا ہے، تم نے مجھے بسلا دیا اور میں بھل گئی ہوں۔" مومو نے اسے قریب کی لہری اور معظم یکدم قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"اچھا چلو آٹھو ناشتا کرتے ہیں۔" وہ موبائل اٹھا کر اسے اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔ مومو بھی اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"مہر کہاں آئے گی یا اسے پک کرو گے؟" اس نے میز چھایاں اترتے ہوئے پوچھا۔

"اسے پک کرنا ہے۔" وہ اطمینان سے کہتا میز چھایاں اتر کر ڈائنگ روم میں آ گیا تھا۔ اریبہ ناشتا لگا کر خود بھی بیٹھ گئی تھی۔

"لہانا کہاں ہے؟" معظم نے چھوٹی ہنس کا پوچھا۔
"سورہ ہی ہے ابھی۔" اریبہ کے بجائے نشاط بیگم نے جواب دیا تھا۔

"بس سنڈے کو نیند کے علاوہ کچھ نہیں سو جھتا۔" اریبہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اور ہمیں سنڈے کو شاپنگ کے علاوہ کچھ نہیں سو جھتا۔" معظم مومو کو دیکھ کر ہنسا تھا۔

"شاپنگ کرنے کا پروگرام تمہارا ہوتا ہے ورنہ مجھے بھی نیند کے علاوہ کچھ نہیں سو جھتا۔" مومو نے اسے گھور کے کہا تھا۔ گھوٹے پھرنے کے پروگرام معظم ہی بناتا تھا۔

"لو کے تم نہ جایا کرو شاپنگ پہ، میں صرف مہر کو ہی لے جاتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"لے جاؤ اور میں آئندہ بھی نہیں جاؤں گی۔" مومو نے دھمکی دی۔

"تم نہ بھی جاؤ تو میں تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا۔" معظم نے اس کی طرف جھپکتے ہوئے آہستگی سے کہا اور مومو کے ساتھ ساتھ اریبہ بھی مسکرا دی تھی۔ وہ دونوں اچھی طرح پیٹ پوجا کرنے کے بعد کھڑے ہو گئے تھے۔

"تم جا کر گاڑی میں بیٹھو میں آ رہا ہوں۔" اس نے

مومو سے کہا اور میز چھایاں چڑھ گیا تھا تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک کیری بیگ تھا۔

"یہ کیا ہے؟" مومو نے اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"مہر کے لیے گفٹ۔" جب مری گیا تھا تو تم سب کے لیے لے کر آیا تھا لیکن مہر کا ابھی تک رکھا ہے اسے دیا ہی نہیں۔

"اتنے دنوں کا اب دے رہے ہو؟"

"ہوں! اتنے دنوں سے نہ وہ میری طرف آئی ہے اور نہ ہی میں اس کی طرف گیا ہوں اسی لیے جوں کا توں رکھا ہے۔" معظم نے گاڑی نکالتے ہوئے کہا تھا۔

"گفٹ کیا ہے؟"

"یہ تو وہی دیکھے گی۔" معظم شرارت سے مسکرایا تھا۔

"کیا چھپا رہے ہو؟"

"سوٹ پیار!"

"اب کیوں تیار ہو؟"

"تم سے پہلے بھی وہ نہیں سکتا۔"

"تھینکس اتنی عزت افزائی کے لیے۔" وہ سرخم کرتے ہوئے بولی۔

"تم تو اپنی شہزادی ہو یا ر!" معظم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دیا تھا اور جواباً "مومو بھی مسکرا دی تھی۔"

مہر کے لہر کے سامنے پہنچ کر اس نے گیٹ پہ بارن دیا تھا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ چادر اوڑھ کر اپنا برس لے کر آگئی تھی۔ اس کے پیچھے ہی معظم نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کیسی ہو؟" اس نے بیک دیو مر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"بالکل ٹھیک، آپ سنائیں کیسے ہیں؟" مہر نے اک نظر مر کی سمت دیکھا اور پھر نظر چھکی تھی۔

”آپ کے سامنے ہیں دیکھ لیں کہ ہم کیسے ہیں؟“
اس نے کندھے اچکائے
”اچھے بھلے لگ رہے ہیں۔“ مرنے آہستگی سے
کہا۔

”لگ نہیں رہا بلکہ اچھا بھلا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔
”ڈرائیو لگ پڑ دھیان دیجیے ورنہ ہم میں کوئی بھی
اچھا بھلا نہیں رہے گا۔“ مومو نے اسے خفگی سے کہا
تھا۔

اور پھر باقی کا سفر ان دونوں کی باتوں میں گزرا تھا۔
شاپنگ مال میں داخل ہوتے ہی ان کی مصروفیت
شروع ہو گئی تھی۔ مرنے اپنے لیے ایک سوٹ اور
چپل پسند کی تھی البتہ معظم اور مومو نے کافی شاپنگ
کی تھی پھر پینج اور ٹھونسنے پھرنے کے بعد انہیں گھر کا
خیال آیا تھا کیونکہ شام گہری ہو چکی تھی۔
”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گھر چلنا چاہیے؟“ مرنے
نے کہا۔

”اتنی جلدی؟“ مومو نے بے ساختہ کہا۔
”یہ جلدی ہے؟ ہم دھڑکے گھر سے نکلے ہوئے
ہیں اور اب شام ہو رہی ہے۔“ مرنے سوچ سمجھ دار
مشقی لڑکوں جیسی سوچ تھی۔ ”بابا بھی گھر آچکے ہوں
گے۔“

”چلو تمہیں ڈرائیو کر دوں۔“ معظم ڈرائیو لگ
میٹ کی سست بڑھا تھا اور فرنٹ ڈور کھول دیا۔ مرنے
مومو کی سست دیکھا۔
”تمہاری باری ہے۔“ مومو مسکرا کر کہتی پچھلی
میٹ پر بیٹھ گئی۔

”تھینک یو۔“ مرنے آہستگی سے بولی۔
”کس لیے؟“ وہ گاڑی اشارت کر چکا تھا۔
”میری براہم سمجھنے کے لیے۔“

”میں نے تمہاری براہم نہیں سمجھی بلکہ اپنے لیے
آسانی پیدا کی ہے۔“ وہ مسکرایا۔ ”آج اگر تمہیں ٹائم
پہ گھر ڈرائیو کروں گا تو آئندہ تمہیں پک کرنے کا موقع
دوبارہ بھی ملے گا ورنہ۔۔۔“
معظم نے بات ادھوری چھوڑ دی اور مومو یکدم

اس کی چالاک پھلکھلا کر ہنسی تھی۔
”تم چپ رہو۔“ معظم نے اسے گردن موڑ کر
گھور دیا۔
”مجھے بعد میں گھورنا پہلے سامنے دھیان دو۔“ مومو
نے اسے ٹوکا۔

”میرا دھیان تو پتہ نہیں کس کس طرف ہے؟“
معظم نے کن اکھیروں سے سر کوں کھاتھا وہ چوہ جھکا گئی
تھی معظم کی والدہانہ نظریں اسے اکثر نظریں جھکانے پہ
مجبور کر دیتی تھیں۔

”اور آپ بھی کمال کے ہیں میرے گھر سے بھی
آگے جا رہے ہیں بریک لگائیے جناب!“ مرنے
اسے ٹوکا تو معظم نے چونک کر اسے دیکھا۔
”شاید میں تمہیں اپنے گھر لے کر جا رہا تھا۔“
معظم کے انداز میں معنی خیزی تھی۔

”میری وقت نہیں آیا آپ کے گھر جانے کا۔“
مرنے بھی اسی کے سے انداز میں مبہم سا جواب دیتی
گاڑی سے اتر گئی تھی لیکن جیسے ہی وہ گیٹ تک پہنچی
معظم کو کچھ یاد آگیا۔

”مرنا رکھو۔“ اس نے آواز دی اور تیزی سے دروازہ
کھول کر نیچے اتر آیا پچھلی سیٹ سے بیگ اٹھایا اور اس
کے قریب جا پہنچا۔

”یہ تمہارے لیے۔“ اس نے بیگ اس کی
طرف بڑھایا۔

”جب مری گیا تھا تو تمہارے لیے لے کر آیا تھا۔“
”تھینکس۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”اب ابھی جاؤ یا پھر اپنے گفٹ کی کوالٹی بتانے
کھڑے ہو گئے ہو؟“ مومو نے ہارن پہ ہاتھ رکھتے
ہوئے بلند آواز سے کہا تھا۔

معظم اپنا سر کھجاتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر پلٹ گیا
تھا۔

”مر۔۔۔“ میراں بیگم مرنے کے بالوں میں تیل ڈال
کے اس کے سر کا مساج کر رہی تھیں اور مرنے انہیں

بند کیے بیٹھی ان کے متنا بھرے لمس سے لطف اندوز
ہو رہی تھی۔

”تمہارے پاپا کا کوئی اسٹوڈنٹ ہے حنان درانی
تمہارے لیے اس کا پریونل آیا ہے۔“ میراں بیگم
نے بے دھیالی میں بیٹی کے دل پہ ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مرنے
چونک کر سیدھی ہوئی۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“ اس کے چہرے پہ
ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

”یہ میں نہیں کہہ رہی تمہارے پاپا کہہ رہے
ہیں۔“

”لیکن میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔“ اس نے احتجاج
کیا۔

”ابھی تو صرف انٹرنیٹ منٹ کریں گے۔“ میراں
نے اسے تسلی دے دی تھیں۔

”لیکچر میں اسی اس کے لیے تیار ہیں ہوا۔“
ای۔ ایسیا سے بات کریں۔ مرنے نے بولا

”کیا کہہ کر ناؤں میں گوا؟“

”آپ کی پریونل کے لیے منع کر دیں۔ بس۔“
میراں بیگم نے کچھ کم محترم سی ہو گئیں۔

وہ جانتی تھیں کہ مرنے کو پسند کرتی ہے لیکن وہ مرنے
کی پسند شوہر کو تو نہیں بتا سکتی تھیں اور ابھی اس کی
پسند کی طرف سے بھی تو کوئی پیش رفت نہیں ہوئی

تھی۔ خود اپنے منہ سے کس طرح کہیں۔ بیٹی کی ماں
تھیں۔ اور مرنے کی شیشی اٹھا کر اندر چلی آئی لیکن
اسے دھڑکا سا لگ گیا تھا۔

”اب بس بھی کرو بیٹا! کب تک گیم کھیلتی رہو گی؟“
مرنے ملکہ آفاق کلاؤن جی میں یہ تیسرا چکر تھا اور انہوں
نے تینوں بار مومو کو ویڈیو گیم کھیلتے پایا تھا۔

”ابھی میرا اسکو رکھ لیت تھیں ہوا ماما!“ وہ
مصروف سے انداز میں بولی۔

”تم آج معظم کی طرف نہیں گئیں؟“
”وہ اپنے دوست کی طرف گیا ہوا ہے گھر پہ نہیں

”تو تم بھی اپنی کسی دوست کی طرف چلی جاتیں؟“
انہوں نے خفگی سے کہا۔

”میری کوئی دوست نہیں ہے ماما!“
”تو پھر مرنے کیا ہے؟“

”وہ تو کزن ہے ناں خالہ کی بیٹی اس سے جو دوستی
ہے وہ تو بہنوں جیسی دوستی ہے اس سے تو روز ملنا ملنا
ہو ماما رہتا ہے۔“ اس نے کندھے اچکائے

”بہنوں جیسی دوستی؟“ مسز ملکہ آفاق دھڑکے رہ
گئیں۔ ان کا خیال میراں بیگم تک گیا تھا جو ان کی سگی
بہن تھیں لیکن ان دونوں میں کبھی دوستی نہیں ہوئی تھی
کسی دوستی جس کا ذکر مومو کر رہی تھی۔

”ہیلو مومو!“ اچانک لاؤنچ میں معظم کی آواز گونجی
تھی اور مومو نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

”تم آ رہے؟“

”جی ہاں۔“

”میراں بیگم نے اس کی طرف متوجہ ہو کر۔“

”ملکہ آفاق تمہارے لیے ٹائم نکال کر گھر پہ رہتی
ہیں اور تم اگلے سیدھے کاموں میں الجھ کر خود کو
مصروف کر لیتی ہو۔“ معظم نے سرزنش کی تھی۔

”تمہاری طرف مئی تو تم گھر پہ نہیں۔“ واپس آئی
تو ماما اپنے کسی کلائنٹ سے دن پہ ہفتکشن کر رہی تھیں
اس نے انہیں گیم کھیلتے بیٹے کی۔ اس نے بتائی۔

”تو بھراب۔“ مرنے کیوں ادھوری۔ زی۔“

”تمہارے لیے۔“ وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

”کمال ہو تم؟“ مرنے اس کے نمبر پہ سنج سیٹھ
کیا تھا۔

”یونیورسٹی۔“ اس کا رپلائی فوراً آیا تھا۔

”یونیورسٹی کے بعد گھر جاؤ گے؟“

”آف کورس گھر ہی جانا ہے کیوں خیریت؟“ وہ
بھی شاید کچھ کھٹک چکا تھا۔

”اب بس بھی کرو بیٹا! کب تک گیم کھیلتی رہو گی؟“
مرنے ملکہ آفاق کلاؤن جی میں یہ تیسرا چکر تھا اور انہوں
نے تینوں بار مومو کو ویڈیو گیم کھیلتے پایا تھا۔

”ابھی میرا اسکو رکھ لیت تھیں ہوا ماما!“ وہ
مصروف سے انداز میں بولی۔

”تم آج معظم کی طرف نہیں گئیں؟“
”وہ اپنے دوست کی طرف گیا ہوا ہے گھر پہ نہیں

”تو تم بھی اپنی کسی دوست کی طرف چلی جاتیں؟“
انہوں نے خفگی سے کہا۔

”میری کوئی دوست نہیں ہے ماما!“
”تو پھر مرنے کیا ہے؟“

”وہ تو کزن ہے ناں خالہ کی بیٹی اس سے جو دوستی
ہے وہ تو بہنوں جیسی دوستی ہے اس سے تو روز ملنا ملنا
ہو ماما رہتا ہے۔“ اس نے کندھے اچکائے

”بہنوں جیسی دوستی؟“ مسز ملکہ آفاق دھڑکے رہ
گئیں۔ ان کا خیال میراں بیگم تک گیا تھا جو ان کی سگی
بہن تھیں لیکن ان دونوں میں کبھی دوستی نہیں ہوئی تھی
کسی دوستی جس کا ذکر مومو کر رہی تھی۔

”ہیلو مومو!“ اچانک لاؤنچ میں معظم کی آواز گونجی
تھی اور مومو نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

”بیاریاں صرف جسم کو ہی نہیں ہوتیں، دل بھی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“
”علاج مشکل ہے تو نہیں۔“ وہ ذہنی انداز میں بولا۔

”ہاں مگر طبیب کوئی اور بننا چاہتا ہے۔“ مرنے دھیرے سے کہا تھا لیکن معظم کا پاؤں یکدم بریک پہ جا پڑا گاڑی کے بائری طرح چرچائے تھے۔
”کوئی اور؟“ اس کے لہجے اور انداز سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

”میرے لیے ایک پریوزل تیار ہوا ہے۔“
”پریوزل؟ لیکن کیوں؟“ معظم کی رنگت ہی بدل گئی تھی۔

”پریوزل کیوں آتے ہیں؟“
”وہ تو ٹھیک ہے لیکن مبراہم دونوں تو آئل ریڈی۔۔۔“
”یہ بات ہمارے دل باب تو نہیں جانتے تھے؟“ مبراہم نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

”کس کا پریوزل ہے؟“
”میرے بابا کا اسٹوڈنٹ ہے حسان درانی۔“
”اسٹوڈنٹ؟ اس نے تمہیں کہیں دیکھا ہے کیا؟“
”ہاں ایک بار بابا سے ملنے آیا تھا گاڑی میں تھا“
”میں سمجھی کہ آپ ہوں گے میں نے گیٹ کھول دیا۔“
”ریشٹن انکل کیا کہتے ہیں؟“

”وہ تو کلنی خوش ہیں حسان درانی کی فیملی ان کو پسند ہے۔“

”تو پھر ہمارا کیا ہو گا؟“
”یہی تو سوچنا ہے۔“

”تم کچھ حوصلہ دو تو میں حل سوچوں میں؟“
”آپ کو چاہیے کہ آپ مجھے حوصلہ دیں نہ کہ میں آپ کو حوصلہ دوں۔“ مبراہم نے غلطی سے کہا تھا۔

”اوکے یار یہ کون سا شل کام ہے لاؤ اور ہراپنا ہاتھ دو“
”میں تمہیں حوصلہ تو دوں۔“ اس نے مبراہم کے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لیے تھے۔

”آپ ہوش میں تو ہیں؟“

”مجھے بھی جانا ہے مجھے پک کر لانا۔“ اس نے پھر میسج سینڈ کیا۔

”آج اتنی کرم نوازی کس لیے؟“
”بس مومو وغیرہ سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔“ اس نے اسے ٹالا۔

”میرا بھی کسی سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔“ اب کی بار معظم نے لکھ کر بھیجا تھا۔

”کس سے؟“ مبراہم نے بھی بے ساختہ میسج کر دیا۔
”اپنی پھوپھی کی بیٹی سے۔“

”پھوپھی کی بیٹی؟“
”ہاں یار! مومو پھوپھی کی بیٹی ہی تو ہے۔“ معظم نے حساب بے باق کر لیا تھا مبراہم چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی تھی۔

”اب کہاں کھو گئی ہو؟“ اس کا ایک اور میسج آیا۔

”کسی خیال میں چلی گئی تھی۔“
”خیال میں جاؤ گی تو خواب ہو جاؤ گی۔“

”پھر اس خواب کو کوئی پورا بھی تو کرے گا؟“
”کوئی کون؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”میری تو اب بھن ہے۔“
”اب بھن کیوں؟“

”میسج میں نہیں بتا سکتی۔“
”اوکے میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔“ اس نے

میسج بڑھ کے سیل ایک سائیڈ میں رکھ دیا تھا۔
تھوڑی دیر بعد گیٹ پہ معظم کی گاڑی کا مخصوص

بارن سنائی دیا۔
”امی! میں خالہ کی طرف جا رہی ہوں۔“ وہ امی کو بتا

کر نکل آئی بھی، معظم گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولے انتظار میں کھڑا تھا۔

چند سیکنڈ بونسی خاموشی کی نذر ہو گئے پھر کافی دیر بعد اس نے گردن موڑ کر مبراہم کی سمت دیکھا تھا۔

”کیسی ہیں آپ؟“
”ٹھیک ہوں۔“

”لگ تو نہیں رہا۔“

”وہی تو رونق ہے ہمارے گھر میں؟ سب سے
”میں کسی کے کہنے سے بھی نہیں رکوں گی کیونکہ
میری امی گھر پہ اکیلی ہوتی ہیں بابا اور حمزہ اتنے لیٹ گھر

ۛ ذوق ۛ 108 مئی 2011ء

مکمل کیا تھا۔ اس نے بڑی دقت سے مسئلہ ”زمانے کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی“ کو یقین تھا۔

”اور جو تم نے دو سواکام شروع کر رکھا ہے؟“ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”وہ تو اس ماہ اوکے ہو جائے گا۔“

”وہ بھی ہو جائے گا تو پھر شادی کب کرو گے؟“

”چار سال بعد۔“

”دیکھو بیٹا! چار سال میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے؟ میں کسی کی بیٹی کو چار سال کے لیے باندھ کے نہیں رکھنا چاہتا جب تم فارغ ہو جاؤ گے واپس آؤ گے تو پھر سارے معاملات طے کر لیں گے۔“

”مقتلی میں کیا حرج ہے؟“ معظم کو اعتراض ہوا۔

”تم اگر میرے شادی کرنا چاہتے ہو تو تمہاری شادی میرے ہی ہوگی جب تک تم واپس آؤ گے میں مہر کی کہیں شادی نہیں ہونے دوں گا اور اگر تمہارے وہاں قدم ڈگمگائے تو پھر مہر کو بھول جانا۔“ مقدم جاہ نے گویا معاملہ طے کیا۔

”یعنی مہر میری امانت رہے گی؟“ معظم نے یقین پکا کرنا چاہا۔

”بالکل۔“ انہوں نے اسے یقین دلایا۔

”آپ بڑا شان انگل سے بات کر رہے ہیں؟“

”یہ اب میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں، مہر کا اب کوئی پرونا نہیں آئے گا بس تم اب کو شش کرو کہ تم نے اپنا گریہ بہنا ہے اور کامیابی حاصل کرنی ہے۔“

انہوں نے اسے تسلی دی تھی اور معظم کے چہرے پہ اطمینان بھری مسکراہٹ ٹھہر گئی تھی۔

”تھینک یو پیپا! تھینک یو سوچ۔“ وہ بے ساختہ ان سے لپٹ گیا۔

اور مقدم جاہ بیٹے کی اس قدر خوشی پہ خود بھی مسکرا دیے تھے۔

”معظم انگلینڈ جا رہا ہے؟“ میراں بیگم حیران رہ گئی تھیں۔

”جی توج اس کا ویزا اوکے ہو گیا ہے۔“ مہر مسکرا کر انہیں شام اللہ ٹھیک چار سال بعد واپس آجاؤں گا چار سال

رہی تھی۔

”اس نے پہلے تو ذکر نہیں کیا؟“

”بس وہ چاہتا تھا کہ سب کو سربراہ زدے گا۔“

”تمہیں بھی؟“ انہوں نے بیٹی کو دیکھا۔ مقدم جاہ میراں بیگم اور ذیشان احمد سے مہر اور معظم کے رشتے کی بات کر چکے تھے، معظم ان کا یہ کہنا بھلا گھر کا بیٹا تھا انہیں بھلا گیا اعتراض ہو سکتا تھا سو انہوں نے ہائی بھر لی تھی لیکن یہ بات ابھی ان تینوں میں ہی تھی انکیج منٹ اور شادی کی رسمیں معظم کی واپس تک ملتوی کر دی تھیں، حالانکہ مقدم جاہ نے اس کے اسٹڈی ویزے کا ذکر کیا تھا ان سے، لیکن اتنی جلدی اس کی تیاری بھی ہو جائے گی میراں بیگم کو اندازہ نہیں تھا۔

”مجھے تو اس نے اسی روز بتا دیا تھا جس روز ویزے کے لیے اپلائی کیا تھا۔“ مہر کے نیچے میں محبت کا غرور بول رہا تھا۔

”تم خوش ہو اس کے جانے؟“

”کیوں نہیں؟ یہ اس کی کامیابی کا پسلا قدم ہے اور مجھے خوشی تو ہوگی۔“

”تمہیں ڈر نہیں لگتا مہر؟“

”کس بات سے؟“

”معظم کے بدل جانے سے؟“ میراں بیگم نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

”وہ آپ کو ایسا لگتا ہے؟“ مہر کو ماں کے خدشے پہ حیرت ہوئی تھی۔

”وہ ایسا نہیں ہے بیٹا! لیکن مہر کو بدلتے دیر نہیں لگتی وہ رنگوں کی دنیا ہے اور رنگ انسان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں، آنکھیں چند حیا دیتے ہیں بیٹا!“

”امی! آپ پریشان نہ ہوں معظم بہ بھروسہ رکھیں، وہ کمزور کردار کا نہیں ہے۔“ مہر نے اپنی ماں کو تسلی دی۔

اور معظم اپنے گھر میں اپنی ماں کو تسلیاں دے رہا تھا۔

”مما پلیز! آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں؟ میں جی توج اس کا ویزا اوکے ہو گیا ہے۔“ مہر مسکرا کر انہیں شام اللہ ٹھیک چار سال بعد واپس آجاؤں گا چار سال

گزرنے کا یہ بھی نہیں چلے گا۔“ اس نے ان کے ہاتھ تھام رکھے تھے لیکن نشاط بیگم متذبذب تھیں۔

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے میوزک سن رہی تھی جب ملکہ دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تھیں۔ مومو نے چونک کر ان کی سمت دیکھا تھا۔

”توج کل تم ہر وقت گھر پہ رہنے لگی ہو، خیریت تو ہے نا؟“ انہوں نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

”جی سب خیریت ہے۔“

”کچھ خبر بھی ہے؟“ انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”کیسی خبر؟“ مومو نے نا سمجھی سے پوچھا۔

”معظم انگلینڈ جا رہا ہے۔“

”واٹ؟“ وہ یکدم اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”معظم انگلینڈ جا رہا ہے؟ مگر کب؟ پ کو کس نے بتایا؟“ مومو کی آواز حیرت اور بے یقینی سے عجیب سی ہو گئی تھی۔

”تمہارا دوست ہے اور تمہیں پتا ہی نہیں؟“ ملکہ کو بھی تعجب ہو رہا تھا۔

”میں اتنے دنوں سے اس کی طرف مٹی ہی نہیں۔“

”تو کیا وہ بھی اتنے دنوں سے نہیں آیا؟“

”تیا تھا ابھی کل شام کو ہی تو آیا تھا لیکن اس نے تو کچھ بھی نہیں بتایا؟“ مومو سوچ کر ہی پاگل ہونے لگی تھی کہ معظم اس سے دور جا رہا ہے۔

”مجھے تو ابھی مقدم بھائی نے بتایا ہے اس کا ویزا اور ٹکٹ اوکے ہو گئے ہیں وہ پرسوں جا رہا ہے۔“

ملکہ کی مزید اطلاع مومو کا حلق بند ہونے لگا تھا۔ وہ آنسوؤں کا چند اطلق میں لیے چپل پس کر باہر لپکی تھی۔

”میں پوچھتی ہوں اس سے اس نے چھپایا کیوں؟“ وہ کہتی ہوئی بیڑھیاں اتر گئی تھی۔

”مومو! ملکہ نے نیچے سے آواز دی تھی مومو سن

کر بھی نہیں رکی تھی لیکن معظم کے میٹ تک جا کر اس کے تیز قدم سست پڑ گئے چونکہ دار نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا تھا مگر وہ اندر جانے کے بجائے واپس مڑ آئی اس کے قدم پھر اپنے گھر کی سمت اٹھ رہے تھے۔ وہ جتنی تیزی سے گئی تھی اتنی ہی سستی سے واپس آ گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ ملکہ اتفاقاً سامنے ہی بیڑھیوں پہ کھڑی تھیں۔

”کیا ہوا اگر اس نے نہیں بتایا؟ ہمیں اتنی اجازت داری، جانے کی کیا ضرورت ہے؟“ مومو استہزا سے بولی تھی۔

”تم اپنا دل کیوں چھوٹا کر رہی ہو؟ سب کی اپنی اپنی لائف ہے۔ کوئی بھی اپنی لائف میں انٹرفیر کرنا پسند نہیں کرتا۔“ انہوں نے اسے سمجھایا۔

”مگر ماں! اتنی بڑی با۔“ مومو کی آواز بھرا مٹی تھی۔

ملکہ اتفاقاً نے چونک کر بیٹی کی طرف دیکھا۔ انہیں ایک لمحے کے لیے شک گزرا کہ سامنے مومو نہیں ملکہ کھڑی ہو۔

”وہ جا رہا ہے تو تم اتنی اداس کیوں ہو رہی ہو؟“ ان کے لمحے میں پتھروں کی سی سختی اتر آئی تھی۔

”آئی ایم سوری مومو! اس کے عقب معظم کی بھیجی سی آواز سنائی دی تھی۔ دونوں ماں بیٹی چونک گئیں۔

”آئی ایم سوری۔“ مہر اخیال تھا کہ سب کو سربراہ از دوں گا تو سب کو شادی کی لیاں سب کی آنکھوں میں آنسو ہیں، میں تو سب کی مسکراہٹ اور خوشی دیکھنا چاہتا تھا۔“ معظم افسردگی سے بولا۔

”تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ تم ہمیں چھوڑ کر اتنی دور چلے جاؤ گے؟“ مومو بے ساختہ بول پڑی تھی۔

”کچھ عرصہ کی بات ہے بھئی صرف چار سال لگیں گے۔“ معظم نے اسے کندھوں سے تھام لیا تھا۔

”چار سال کا چھوٹا“ صرف نہیں ہوتا معظم۔“

”تم کیوں مجھے کمزور کر رہی ہو؟ مہر کو دیکھو اس نے اتنا حوصلہ دیا ہے مجھے اتنی ہمت بندھائی ہے۔“ اس نے مثال دی۔

”میرا دل مہر کے دل جیسا بڑا نہیں ہے۔“
”اف! تم سب کیوں میری خواہش کو نہیں سمجھ رہے؟ گھر میں امی رو رہی ہیں گریہ اور امانہ او اس ہیں یہاں تم دریا بہا رہی ہو۔ اور۔۔۔“ وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”اور؟“ مومو نے دہرایا۔

”اور میں خود بھی ڈبل ہائینڈ ڈھونڈ رہی ہوں۔“

”نہ جاؤ۔“ وہ فوراً بولی تھی۔

”مہر تو کہتی ہے، چلے جاؤ۔“

”مہر؟“ مومو کو اچھبھا ہوا۔

”ہاں وہ میری کامیابی اور میری خوشی میں خوش ہے۔ اور تم نے رونا دھونا بچا رکھا ہے۔“

”میں سو مل آفاق ہوں اور وہ مہر و شان بہت فرق ہے ہمارے جذبات اور احساسات میں نہ سہہ سکتی ہے لیکن میں نہیں سہہ سکتی۔“ اس نے ٹہنی میں سر ہلایا۔
”لگتا ہے امی اور تم ہی مجھ سے زیادہ پیار کر لی ہو، رو کر حشر کر دیا ہے۔“

”تمہیں اگر ہمارے پیار کا اندازہ ہو جائے تو تم بھی بھی جدا ہونے کا نہ سوچو۔“

”ملکہ آنٹی ٹھیک کہتی ہیں تم واقعی اتنی بڑی ہو کر بھی بچی ہی ہو۔“ اس نے مومو کے سر پہ چپٹ لگائی اور مومو اس کے انداز پہ جھج گئی تھی۔

”میں بچی نہیں رہی اب بڑی ہو گئی ہوں۔“ اس نے اطمینان سے کہا تھا۔

”اچھا مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ تم بڑی ہو گئی ہو؟“
معمم نے اسے شرارت سے چھیڑا تھا اور مومو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی تھی۔

مقدم جلا اور میراں بیگم کی ساری ٹیلی معمم کو ایئر پورٹ سی آف کرنے گئے تھے یہاں تک کہ ملکہ

آفاق بھی۔ لیکن صرف ایک مومو تھی جس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ معمم کو جدا ہوتے دیکھ سکتی۔ اس نے پہلے ہی ایئر پورٹ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ صبح ناشتا معمم کے ساتھ ہی کیا تھا لیکن واپس آکر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی جب معمم کی روانگی کا وقت ہوا تو وہ اس سے ملنے اس کے گھر بھی گیا تھا لیکن اس نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

”میں برداشت نہیں کر سکوں گی معمم! تم چلے جاؤ۔“ وہ اندر دروازے سے لگی کھڑی تھی اور دروازے کے باہر وہ کھڑا تھا۔

”مومو! وہ کب سے کھڑا ہے اس سے مل لو۔“ ملکہ نے اوپر آتے ہوئے کہا۔

”سو رہی ہوں امیں۔“ مل سکتی۔“ اس نے انکار کر دیا اور پھر معمم کو مجبوراً ملے بغیر ہی خدا حافظ کہنا پڑا۔ مومو اس کے قدموں کی آہٹ دور ہوتی محسوس کرتے رو پڑی تھی۔ وہ چلا گیا تھا!

تم میری زندگی ہو یہ سچ ہے
زندگی کا ٹکڑا مجھ پر چھوڑ دیا؟
معمم نے انگلیٹنڈ جا کر نیا نمبر لیا تو اس نمبر پر سب سے پہلے جانے والا مہر مومو کا ہی تھا۔ وہ مہر سے بڑھ گئے مسکرا دیا تھا۔ اس نے شاور لے کر ناشتا کیا اور کچھ دیر کے لیے موبائل لے کر بیٹھ گیا اسے پتا تھا کہ مومو اس کے جواب کا انتظار کر رہی ہو گی اسی لیے مہر مہر کاٹ کر لے لگا۔

ہم کو خبر تک نہیں ہوتی کہ
ہم کسی کی حیات ہوتے ہیں!
معمم نے شعر کا جواب شعر سے دیا تھا اور پھر ٹیلی پر رکھی فریم شدہ تصویر اٹھا کر دیکھنے لگا مہر اور مومو کی یہ تصویر اسی نے بنائی تھی اس تصویر میں وہ دونوں مسکرا رہی تھیں۔ ان کے چہرے بہت فریش لگ رہے تھے۔ ہر غم ہر دکھ سے آزاد چہرے۔ ان کی تصویر دیکھتے ہوئے معمم کے لبوں پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

اور بیٹھے بیٹھے اس کا مہر سے بات کرنے کو دل چاہنے لگا اس نے موبائل اٹھا کر مہر کا نمبر ڈائل کر لیا۔ کال حنزہ نے ریسیو کی تھی۔

”السلام علیکم معظّم پھائی! کیسے ہیں آپ؟“
”میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ کیسے ہو؟ کیا ہو رہا ہے؟“
معمم کی نظریں مہر کی تصویر پر تھیں۔

”وہی کچھ ہو رہا ہے جو آج سے ایک ہفتہ پہلے ہو رہا تھا۔ آپ کو مجھے ہوئے ایک ہفتہ ہوا ہے اور پاکستان میں ایک ہفتہ کوئی انقلاب نہیں لاسکتا۔“ اس کی بات معمم فہم پڑا تھا۔

”مستائے ہوئے لب رہے ہو۔“

”اگر پاکستانی ہی مستایا ہوا ہے یہاں سکون میں بھلا کون ہے؟“

”تمہاری باتوں سے۔“ ہے کہ۔“ بھی انقلاب لانا چاہتے ہو۔“

”تو تو معمم بھائی! ہماری آنے والی سات سلیبس بھی انقلاب نہیں لاسکتیں، ہمیں سننے ہوتی ہے۔“

”وہ کیوں؟“ معمم کو تعجب ہوا تھا۔

”کیونکہ ہم لوگوں میں بدعتی اور بے ایمانی سا مانی ہے، خود غرضی عروج ہے کوئی کسی دوسرے کا بھلا ہوتے نہیں دیکھ سکتا، حکومت عوام کو نکل رہی ہے اور عوام مرغ بیل کی طرح ترب ترب کر جان دے رہی ہے۔ انہوں نے اپنے لیے خود اقتدار کا طریقہ ڈھونڈ رکھا ہے۔“

حنزہ بولنے پہ آیا تو بولتا چلا گیا تھا اور معمم بہہ نہتا رہ گیا۔

”حنزہ یہ تمہی ہوئیں؟“

”جی میں ہی ہوں۔“

”اتنے رخ کیوں ہو رہے ہو؟“

”ابھی ابھی نیوز چینل پہ ایک نیوز سنی ہے۔“ حنزہ نے اپنی جگہ کی وجہ بتائی۔

”کیسی نیوز؟“

”ایک بہن نے اپنی بہن کو زہر دے کر مار دیا۔“

تفصیلات جاننے کے بعد پتہ چلا کہ وہ دونوں ایک ہی لڑکے۔ ذرا تھیں لیکن اس لڑکے کے ساتھ شادی تو صرف ایک بہن کی ہی ہو سکتی تھی نا؟ اب وہ لڑکی پولیس کی حراست میں ہے۔ اس نے اقبال جرم بھی کر لیا ہے اور اس وقت وہ اپنی بہن کی موت پہ اشک بار رہی ہے، اسے اب احساس ہو رہا ہے کہ اس نے جنون اور جذبات میں آکر اپنی بہن کی جان لے لی ہے، وہ سزا کی طلب گار ہے۔“ حنزہ نے اسے پوری تفصیل بتا دی۔

”اف! یا صبح صبح کیا خبر سنا ڈالی“ اسے افسوس بھی ہوا اور اس لڑکی پہ غصہ بھی آیا تھا۔

پھر کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔ مہر سے بات کرنے کا ارادہ اس نے رات پہ ملتی کر دیا تھا۔

دو سال۔ نئی سات سو تیس دن!
لیکن مومو آفاق سات سو تیس دن، چودہ سو ساٹھ دن گزرتے، دن اتنے لمبے، مہینے اتنے طویل اور سال اتنی صدیوں کا روپ دھار لیں گے یہ کب تھا اس نے؟ اس نے تو سوچا تھا کہ محبت کو کتنا ہی چاہئے گا۔ معمم کون سا غیر تھا۔
کرلی۔ پہلے بھی اس کا۔
تھا۔ شکر تھا کہ ا۔
نہیں آتا تھا اس۔

ای۔ اس۔ دو سال لڑ لے تھے۔
دو سال تو مہر اور معمم نے بھی گزارے تھے۔ اپنے مستقبل کے خواب دیکھتے ہوئے خوشگوار اور خوش آمد خیالوں کے ہمراہ! معمم نے اگر ثابت قدم رہ کر وقت گزارا تھا تو صرف مہر کی محبت کے سہارے۔ اپنی اپنی جگہ انتظار تینوں کو ہی تھا چار سال کے گزرنے کا۔

”آج دو سال ہو گئے ہیں معمم کو انگلیٹنڈ گئے۔“

مناثر کن نظروں سے دیکھتی تھی۔ ان کی شخصیت ہی اتنی باوقار اور چارمگ تھی کہ سامنے والا حقیقتاً مناثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

وہ دونوں باہر نکل آئی تھیں پندرہ دن ہوئے تھے جب مومو کو ڈرائیونگ کی اجازت ملی تھی۔ اور وہ اس چیز کو کھل کر انجوائے کر رہی تھی۔ آج اسی نے مر کو شاپنگ پہ چلنے کی آفر کی تھی اور مہرا سے ٹل نہ سکی۔

”معظم کافون آیا تمہاری طرف؟“ مومو نے گلاسز بالوں میں اٹکاتے ہوئے پوچھا۔

”تقریباً روز آتا ہے“ مہر نے سرسری سا کہا۔
”وایسی کے لیے کیا کہتا ہے؟“ وہ گاڑی میں روڈ پہ ڈل چکی تھی۔

”وای دو سال بعد۔“

”مجھے یاد کرنا ہے؟“

”تمہیں بھولا ہی کب ہے؟“ مہر ہنسی تھی۔

”میری آواز تو بھول ہی گیا ہو گا؟“ مومو نے دو سال ہوئے تھے معظم کو فون نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس کافون سنا تھا بس میسجز پہ بات کرتی تھی یا پھر نمینہ پہ کبھی کبھی وہ فارغ ہو تا تو چیٹ ہو جاتی تھی۔

”تمہارے میسجز کو بہت انجوائے کرتا ہے خصوصاً“ پوٹری کو۔ مہر نے آگاہ کیا۔

”میری پوٹری کا جواب وہ پوٹری سے ہی دیتا ہے۔“

”بتاتا ہے مجھے۔“ مہر نے سر ہلایا۔

”چھپا تا کیوں نہیں؟“ مومو سوچ کر رہ گئی۔

”اور کیا کہتا ہے؟“ اس نے بات جاری رکھی۔

”کہتا ہے ان دو سالوں میں مومو کتنی بڑی ہو گئی ہو گی؟“ مہر لچکی سے ہنسی تھی۔

”اسے کو مومو اتنی بڑی ہو گئی ہے کہ تم پورے کے پورے اس کے دل میں سما سکتے ہو۔ وہ سوچ کر خود ہی مسکرائی تھی۔

”تم نے کیا کہا پھر؟“

”میں نے کہا کہ مومو جیسی حسینہ تو ہمارے پورے

ہوئے۔“ مومو نے کیلنڈر پہ سر خار کر کے پندرہ کے ہندسے پہ سرکل بنا کر نشان لگا دیا تھا۔

”یاد تھا تمہیں؟“ مہر نے گردن موڑ کر دیوار کے پاس کھڑی کیلنڈر کو دیکھتی مومو سے پوچھا۔

”کیوں؟ کیا تم بھول گئی ہو؟“ مومو نے مہر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مہر نظر جھکی تھی۔

”یہ کوئی بھولنے کی بات ہے؟“ مہر کا لہجہ دھیما تھا۔

”کیا ہو رہا ہے سوٹی؟“ ملکہ آفاق اچانک ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھیں۔

”آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔“ مومو ان کے قریب آ گئی۔

”کوئی خاص بات؟“

”میں نے اور مہر نے شاپنگ پہ جانا تھا میں نے سوچا آپ آج میں تو پھر جا میں گے۔“

”مہر؟“ ملکہ آفاق نے چونک کر دیکھا۔
”اسلام علیکم آئی!“ مہر صوفے سے اٹھ کر سامنے آ گئی۔

”امی آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔“ مہر نے میراں بیگم کا سلام ملکہ آفاق تک پہنچایا۔

”وعلیکم السلام“ بیٹھو تم لوگ باتیں کرو۔“ انہوں نے سلام کا جواب دے کر انہیں بیٹھنے کو کہا۔

مہر نے شروع سے یہ محسوس کیا تھا کہ میراں بیگم ملکہ آفاق سے بہت محبت کرتی ہیں لیکن ملکہ آفاق ہمیشہ ان کے ساتھ سرسری سا پیش آتی ہیں۔ ان دونوں بہنوں میں کبھی بہنوں سی بات نظر نہیں آتی تھی۔

باقی ہر معاملے اور ہر رشتے کے حوالے سے وہ بہت کیئرنگ اور لونگ تھیں لیکن میراں بیگم کے معاملے میں وہ خاصی لا تعلقی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی تھیں۔

”بیٹھنے کا وقت نہیں ہے ہم اب چلتے ہیں۔“ مومو نے نفی میں سر ہلایا۔

”اوکے جاؤ“ لیکن دھیان سے ”ڈرائیونگ احتیاط سے کیا کرو۔“ وہ اپنا بیگ کندھے سے اتار کر صوفے پہ رکھتے ہوئے بولیں۔ مہر ان کو جب بھی دیکھتی تھی

شہر میں نہیں ہے۔ "مرد پچی سے بتا رہی تھی۔
"پھر اس نے کیا کہا؟"

"وہ کہتا ہے مومو کو دیکھنے کے لیے دل چل گیا ہے۔" مرنے حرف بہ حرف بتایا اور مومو کا دل دھڑک گیا تھا۔ محبت کے رخساروں پہ سکون کی پھوار برس گئی تھی۔ محبوب نے اسے دیکھنے کی طلب کی تھی۔ وہ موتی سے ہیرا بن بیٹھی۔!

"مومو بریک لگاؤ۔" اس نے اسے متوجہ کیا تو وہ چونک کر یوش میں آئی تھی۔ وہ شائنگ بل سے آگے نکل آئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے یونٹن لیا وہ دونوں گاڑی سے اتر رہی تھیں جب کسی مردانہ آواز پہ ٹھنک گئیں۔

"السلام علیکم!" کالی خوب صورت اور پنڈ سم نوجوان اپنی گاڑی کے پاس سے ہٹ کے ان کے قریب آتا تھا۔

"وعلیکم السلام" آپ کی تعریف؟ "مومو گاڑی لاک کر کے سیدھی ہوئی تھی لیکن اس کی نظر حیران سے انداز میں دیکھنے والی مہمہ تھیں۔

"میری تعریف مس مرزیشان کو بتا ہوگی۔؟" اس نے مہر کی طرف اشارہ کیا۔

"مرزیشان؟ مومو نے حیرت سے مہر کی طرف دیکھا۔ مرا سے پہچان چکی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ بابا کے اسٹوڈنٹ وہ چکے ہیں حنان اورانی؟" مہر نے بمشکل تعارف کروایا۔

"اوہ اچھا!" مومو نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ عاتبا" ڈریس ڈیزائنر مسز ملکہ آفاق کی بیٹی ہیں۔ ان کے بوقتیک کی والد پہ آپ کی بچہ دیکھی تھی؟

"جی!" مومو نے اثبات میں جواب دیا۔

"مومو ہمیں چلنا چاہیے۔" مہر کو یوں سراہا کھڑے ہونا معیوب لگ رہا تھا۔

"میری بات سنے بغیر؟" وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کیسی بات؟" اسے حنان ورنانی کی موجودگی سے

ابھٹھن ہوئی۔

"میرا پر پونل آج بھی وہی ہے۔" اس نے مہر کو سرتاپا نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے اس سوال کا جواب میرے بابا کے پاس ہوگا۔"

"لیکن میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔"

"آپ کا انتظار فضول ہے۔" وہ سختی سے بولی۔

"یہ تو وقت بتائے گا۔"

"مستر حنان ورنانی ہمارا راستہ چھوڑیے۔"

"آپ اپنی حد سے بڑھ رہے ہیں۔"

"شکر کریں کہ میں ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ ورنان آیا ہوں اگر وہ بھی تھا کہ آپ کے گھر چلوں؟"

"آپ سے یہیں ملاقات ہوگئی۔" نے جس انداز سے کہا۔ "نوں اندر سے سسم گئی تھیں۔"

"ڈونٹ وری آپ پریشان نہ ہوں میں تھرڈ کلاس عاشق نہیں ہوں، میرا معیار بہت اعلیٰ ہے۔ آپ اپنے آپ کو دیکھ بیچے میں کیسی چیز پسند کرنا ہوں؟ خیر

آپ میرے استاد کی بیٹی ہیں آپ کی عزت سر آٹھوں پہ جائیے شائنگ کیجیے لیکن مجھے بھولے گا ست۔"

اس نے راستے سے ہٹے ہوئے انہیں جانے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئیں مگر وہ دونوں اس حد تک پریشان ہو چکی تھیں کہ ان کا شائنگ سے دھیان ہٹ چکا تھا سو بہت جلد وہ واپس آ گئی تھیں۔

بارہ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے اور وہ اپنا موبائل سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ چار سالوں میں پہلی مرتبہ اس کا معظّم سے بات کرنے کو دل چاہا تھا۔ آج بارہ بجے کے بعد ان دونوں کا برتھ ڈے تھا اور مومو کا کارواہ تھا کہ پہلے وہ معظّم کو دوش کرے گی لیکن پانچ منٹ تھے کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہے تھے بھڑکی کی ٹنگ ٹنگ اس نے اٹھ بیٹھ پہ گنا شروع کر دی اور جیسے ہی گیارہ بج کے

اندر چاس منٹ ہوئے اس نے فوراً اپنا موبائل اٹھالیا تھا۔ اپنے دل کی بھگتی دوڑتی دھڑکنوں کو ایک ہی جگہ ٹھہرایا اور نمبر ڈائل کیا۔

"کال مل گئی لیکن رنگ نہیں گئی تھی۔" دوسری طرف سے نمبر کی بڑی ٹیون مل رہی تھی۔

اس نے ایک منٹ کے وقفے سے پھر زانی کیا لیکن وہی بڑی ٹیون نہی ملا۔ دوسری 'تیسری' جو بھی اور پانچویں بار بھی نمبر بڑی ہی ملا۔ مومو جھنجھلا گئی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"ابھی برتھ ڈے ٹویو ابھی برتھ ڈے ٹویو ابھی برتھ ڈے ٹویو! ملکہ آفاق کر شل کی چھوٹی سی ٹرائل دھکیلتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں۔

ٹرائل کے اوپر چھوٹا سا کیک سجا ہوا تھا۔ اور کیک پہ کینڈل روشن تھی۔ اتنی ماہ کی اتنی محبت پہ س کی آنکھوں میں مزید آنسو آئے تھے وہ ننگے پیر پیر سے اتر کر ہاگ کے ان سے لپٹ گئی تھی۔

"تھینک یو مام۔" تھینک یو سوچ۔ "وہ ان لپٹی ہو رہی تھی۔

"آئی ٹویو میری جان" آئی ٹویو سوچ۔ "وہ اس کا سر تھپکتے ہوئے اس کی کمر سہلانے لگی تھیں۔

"ابھی برتھ ڈے ٹویو۔" اچانک کھلے دروازے سے اریبہ اور امانہ نور زور سے گنگنائی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں۔ مومو ان کی محبت پہ مسکرا دی۔ رات کے اس پہر وہ اپنے گھر سے اس کے گھر صرف دوش کرنے آئی تھیں۔

"تھینکس۔"

"چلو اب جلدی سے کیک کٹو" میں بس کیک کھانے کے لیے جاگ رہی ہوں۔" اریبہ شرارت سے بولی۔

"تمہارے بھائی نے تمہیں کیک نہیں کھلایا؟"

مومو بے ساختہ کہہ گئی۔

"ارے ان کو تو ابھی دوش ہی نہیں کیا انہیں دوش کرنے کے لیے کل ملائی تو ان کا نمبر پہلے سے بڑی تھا" ٹھہرو میں ایک بار پھر زانی کرتی ہوں۔" اریبہ نے اپنے

نمبر سے پھر اس کا نمبر ڈائل کیا لیکن وہی بڑی ٹیون نہی مومو نے جلتے سینگے دل کے ساتھ سر جھٹک دیا تھا۔

"چلو" میں تمہیں کیک کھلاتی ہوں۔" اس نے چھری تھام لی تھی۔ آج وہ بیس سال کی ہو چکی تھی مسز ملکہ آفاق کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا وہ اتنی ہی دیر میں کئی بار اس کی نظر اتار چکی تھیں۔ اس کا صدقہ بھی دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے کیک کا تار اور پھر ان تینوں میں سرو کیا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ تینوں چلی گئیں اور مومو اپنے بیدروم میں اکیلی رہ گئی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد مہر کا فون آیا تھا۔ اس نے اسے دوش کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ مہر بولتی رہی اور وہ سنتی رہی۔ دس منٹ بعد اس کا فون بند ہوا تو معظّم کے میسجز آنا شروع ہو گئے۔ وہ بھی اسے دوش کر رہا تھا۔

"میں نے تمہیں کل کی تھی تمہارا نمبر بڑی تھا۔" مومو نے بے دلی سے لکھا۔

"مہر کال آئی" سے ش کرنے کے

مومو کو حسب توقع ریانی موصول ہوا۔

"میں نے بھی دوش کرنے کے لیے کی تھی۔"

"تو یا زاب کرلو بہت دل چاہ رہا ہے تمہاری آواز سننے کو۔"

"مگر اب میرا دل نہیں چاہ رہا۔"

"میں کال کر لیتا ہوں۔"

"میں تمہاری کال یا کر۔" کی "تان نہیں۔" دس۔

"ایسی باتیں کیں کر رہی ہو؟" معظّم کی بیانی اس میسج سے ظاہر ہو رہی تھی۔

"تم کوئی اور بات کرو۔" مومو نے بات بدلتی چاہی۔

"آئی مس یو۔" معظّم نے آئی مس یو کا پکچر میسج سینڈ کیا تھا۔

"تھینکس۔" اس نے فادر مل سالکھ دیا۔

"تھینکس کس لیے؟"

"مجھے مس کرنے کے لیے۔"

2

117

www.paksociety.com

”تم بدل گئی ہو مومو!“
”میں جانتی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم بھی بدل گئے ہو۔“

”ہاں یا تو وقت بھی تو بدل گیا ہے چار سال واقعی صرف نہیں ہوتے۔“ معظم نے کج مومو کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

”کب آرہے ہو؟“

”بس چند دنوں تک۔“

”ٹھیک ہے پھر چند دنوں تک بات ہوگی۔ اللہ حافظ۔“

پھر مومو تنکے پہ سر رکھ کے لیٹ گئی تھی لیکن موبائل ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ چند سیکنڈ دیکھتی رہی پھر ٹائپ کرنے لگی۔

میری وحشتوں کو بڑھا دیا ہے جدائیوں کے عذاب نے میرے دل پہ ہاتھ رکھو زرا میری دھڑکنوں کو قرار دو سینڈ آئین میں جا کر اس نے معظم کے نمبر پر مہیج سینڈ کر دیا تھا اور خود آنکھیں موند لی تھیں۔!

چار سال اور پچیس دن۔!

یعنی چودہ سو پچاسی دن بعد معظم جاہ اپنی کامیابی کی ڈگری لے کر پاکستان پہنچا تھا اور کج بھی اسے ایئر پورٹ سے ریسیو کرنے سب ہی گئے تھے سوائے مومو کے۔ بقول اس کے وہ خود یہ اختیار نہیں رکھ سکتی تھی۔ معظم کی واپسی کی اسے اتنی خوشی تھی کہ خوشی کے مارے اپنا دل بند ہونے کا خدشہ تھا۔ وہ سب کو بھیج کر اپنے گھر آگئی شاور لیا اور تیار ہو کر اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا۔ وہ معظم کو ذہن میں رکھ کے تیار ہوئی تھی۔ اسی لیے آئینہ دیکھا تو حیا سے سمٹ گئی۔ سارے رنگ لڑکوں والے تھے انداز و اطوار سے شرمو حیا تک۔

”چھوٹی بی بی! معظم صاحب آگئے ہیں۔“ ملازمہ کی آواز پہ اس کے ہاتھ سے بریفوم کی شیشی چھوٹ گئی تھی جو ڈرنک میبل سے ٹکرا کر نیچے قالین پہ جا گری

لیکن ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔ مومولپک کے دروازے کی سمت آئی۔

”مومو! عین اسی وقت وہ بھی اندر داخل ہوا تھا دونوں کا تصادم بری طرح ہوا تھا۔“ معظم ”مومو! کھڑا کر سنبھل گئی اور معظم سنبھلتے ہوئے بھی لڑکھڑا گیا۔

”مومو تم؟“ وہ سر ہلاتے ہی یقین نظروں سے دیکھ رہا تھا اور مومو اس کی نظر کے لمس سے ہی سمٹ سمٹ گئی تھی۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں؟“ معظم نے اس کا بازو ہلایا۔

”کوئی شک ہے تمہیں؟“ مومو نے نظر اٹھا کر اس کو دیکھا مگر اس کے چہرے پہ اس کی نظر غصہ میں سکی تھی۔ وہ کتنا خوب صورت کتنا فریش اور صحت مند ہو۔

تھا۔ لمو مومو جی بھر کے دیکھ نہ پائی۔

”شک نہیں ہے شک لگا ہے کیا مومو! یہی بھی ہو سکتی ہے؟“ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ خوش اور حیران ہو رہے تھے۔

”اور تم اور گڈ لکنگ ہو گئے ہو۔“ وہ کے بغیر نہ رہ سکی۔

”جانتا ہوں۔“ وہ ہنس دیا۔

”میرے ساتھ گھر چلو سب انتظار کر رہے ہوں گے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے باہر چل دیا۔

”اوکے چلتی ہوں لیکن میرا ہاتھ تو چھو دو۔“ اس نے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا۔

”اب گھر چل کے ہی چھوڑوں گا تم بڑے عرصے سے ستا رہی ہو مجھے ہر بات کا حساب دینا ہو گا تمہیں۔“ معظم اس کی ایک بھی سنے بغیر اسے ساتھ لیے اپنے گھر آگیا تھا۔ مومو کی وجہ سے وہ اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھا اس کے گھر آیا تھا اور جیسے ہی اسے لے کر واپس آیا وہ بھی ہنس دیے تھے۔

”بھرم پکڑ لیا تم نے؟“

”جی بڑی مشکل سے پکڑ کے لایا ہوں۔“ معظم اسے ساتھ لیے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

”ملکہ ابھی نہیں آئی؟“ مقدم جاہ نے مومو سے پوچھا۔

”تھوڑی دیر تک آجائیں گی۔“ اس نے ٹائم دیکھ کر کہا۔

”معظم! کیا؟“ تب ہی رہبراری سے ملکہ آفاق کی آواز سنائی دی تھی۔

”ملکہ آئی؟“ معظم نے آگے بڑھ کے ان سے ملا تھا۔ ملکہ آفاق نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کندھا

تھپکاتھپکا۔ پہلی بار وہ کسی سے اس طرح ملی تھیں ورنہ ان کا ملنا ملنا بھی صرف سلام دعا تک یا ہلو ہائے تک ہوتا تھا۔

”کیسے، سائی سن؟“ انہوں نے بھی معظم کو توجہ دینی نظروں سے دیکھا تھا۔

”اللہ کا شکر ہے“ آپ کیسی ہیں؟“ وہ ان کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔

”مجھ پہ بھی اللہ کا کرہم ہے۔“ کہتے۔ ان کی سامنے صوفے پہ بیٹھی میراں بیگم کی سمت اٹھی تھی جن کے برابر ہی غذا سے فاصلے پہ ذیشان احمد بیٹھے ہوئے تھے۔ صوفے کے ایک کونے پہ وہ تھے اور ایک کونے پہ میراں بیگم!

”آئیے بیٹھے ناں۔“ معظم نے انہیں اپنے ساتھ بیٹھنے کا کہا۔

”تھینک یو۔“ وہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ مومو بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

”سن کر کیا گزرا؟“ تمہاری اسٹڈی کیسی رہی؟“

”ایک دم فٹا سنک۔“

”اپنے منہ میاں مٹھو؟“ حمزہ نے چھیڑا۔

”تم میرا ریکارڈ دیکھ سکتے ہو۔“

”اس ملک میں آگئے ہو تو ریکارڈ دکھانے کی کوشش مت کرنا بلکہ سفارش اور رشوت دکھانے کا بندوبست کرو۔“ حمزہ کی وہی جلی گئی باتیں تھیں۔

”بیٹا! تم تو لینے دیا کرو۔“ میراں بیگم نے بیٹے کو سرزنش کی تھی اور ذیشان احمد اور مقدم جاہ ہنس پڑے تھے۔

”یہی تو میرا فخر ہے میرا! آج کل دنیا جس احساس سے بے سرو ہو گئی ہے حمزہ وہی احساس دل میں لیے پھر رہا ہے۔“ ذیشان احمد نے محبت باش لہجے میں کہتے ہوئے بیٹے کی سمت دیکھا۔ میراں بیگم مسکرا دیں۔ اور

ملکہ آفاق سرخوڑ گئی تھیں۔

”ملکہ آئی چائے؟“ مہر نے کپڑوں کی طرف دیکھا۔

”نوتھینکس۔“ انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

”کیوں آئی؟ اتنے مزے کی چائے ہے۔“ معظم نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”میں ابھی لٹچ کر کے سیدھی بیٹھیں آئی ہوں۔“ چائے کا موڈ نہیں ہے۔“ انہوں نے نفی میں گردن ہلائی اور مہر نے مزید اصرار نہ کیا۔ مسز ملکہ آفاق تقریباً دس منٹ وہاں بیٹھی اور پھر کھڑی ہو گئی تھیں۔

”کہاں جا رہی ہو ملکہ! اتنی جلدی؟“ مقدم جاہ فوراً ذیشان احمد سے گفتگو کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”مجھے آج فارم ہاؤس جانا تھا لیکن معظم کی وجہ سے تھوڑا الٹ ہو گئی سو چاہیے اپنے بیٹے سے مل لوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے معظم کے بل بکھرا کر بولیں۔

”لیکن ملکہ! کچھ دیر بیٹھو تو سہی اتنے دنوں بعد ملے ہیں کاموں کا کیا ہے کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔“

میراں بیگم نے بھی انہیں رکنے کا کہا۔

”لیکن میرے لیے میرے کام اہم ہیں ہم نہیں کروں گی تو مسز ملکہ آفاق روڈ پہ آج کل کے دور میں کوئی کسی کا سا نہیں دھانہ ماں باپ نہ

ہیں بھائی نہ اولاد! بس اگر کوئی چیز ساتھ دیتی ہے تو وہ انسان کی اپنی۔“ ساتھ دیتی ہے محنت بھوکا نہیں مر دیتی اور نہ ہی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے دیتی

محنت کرو نام کماؤ اور عیش کرو اور میں بھی یہی کچھ کر رہی ہوں۔“

انہوں نے بڑی تفصیل سے جواب دیا تھا اور پھر جاتے جاتے ایک بار پھر رک گئیں۔

”اور ہاں میں بیوہ ہوں اور میرا بیٹا بھی نہیں ہے“

میں نے اپنے لیے جو کچھ کرنا ہے خود کرنا ہے۔
 ”وہ کہہ کر چلی گئیں اور ان کے لمبے میں محسوس کی
 جانے والی محرومی وہیں رہ گئی۔ سب ہی لمحہ بھر کے
 لیے چپ ہو گئے تھے۔ بھری جوانی میں بیوی اور بچی کا
 ساتھ۔ وقت اور حالات نے انہیں دو ٹوک لیا دیا سا
 اور رنج بنادیا تھا۔ ان کی زندگی کا حاصل ان کی بیٹی تھی
 اور زندگی کا مقصد بیٹی کی خوشیوں کا حصول۔

معظم کو پاکستان آئے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا تھا اور
 مومو نے محسوس کیا تھا کہ معظم کافی حد تک بدل گیا
 ہے۔ اس کی وہ شوخی اور شرارتیں کالی کم ہو گئی تھیں
 ۔ وہ چیخڑ چھاڑ وہ ہنسی مذاق وہ لڑائی جھگڑا سب چار
 سال پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہنے
 لگا تھا اور مومو اتنے سالوں سے دل میں دلی باتیں دل
 میں دبا کے رہ گئی۔

وہ تو سوچتی تھی کہ معظم آئے گا تو وہ اپنے دل میں
 بھرا جدائی کا غبار دل کھول کے نکلے گی کچھ اس کی
 سنے گی کچھ اپنی سنائے گی اٹھار کرے گی اقرار کرے
 گی۔ لیکن! لیکن یہاں تو کچھ بھی اس کی سوجوں
 کے مطابق نہیں تھا۔ یہاں تو کچھ اور ہی ہو رہا تھا اور وہ
 اس ”کچھ اور“ سے بے کل اور بے چین پھر رہی
 تھی۔

وہ پورا دن اپنے گھر میں بولائی بولائی پھرتی چاہتوں
 کے پھول سینے سے لگائے تھے تو احساس ہوا تھا کہ
 بے رخی کی آگ لکڑے بھی جلاتی ہے پاؤں زمین پہ نہیں
 انگڑوں پہ پڑتا ہے اور جلن روح تک ہوتی ہے۔
 محبت کی طلب میں جذبات سلگتے ہیں دل سے ٹپکی
 لکڑی کی مانند دھواں نکلتا ہے اور انسان کی پوری ہستی
 راکھ کا ڈھیر بننے لگتی ہے۔

نجانے کیا بات تھی کہ بہت دنوں سے مومو کا دل
 خدشوں کی زد میں تھا ہر لمحہ عجیب سا وحشت انگیز تھا۔
 اسے لگتا جیسے کچھ ہونے والا ہے اور یہی وہیم اسے
 انتہائی ڈسٹرب کر رہا تھا وہ بے چین ہو کر گھر سے نکل

آئی۔

”مومو! آریہ نے اپنے ٹیرس سے اسے آواز دی
 تھی اس نے چونک کر ان کے ٹیرس کی سمت دیکھا۔

”یار اور ہر آواز ہماری طرف مومو بہت اچھا ہو رہا
 ہے میں نے پکڑے بنائے ہیں چائے کے ساتھ۔“
 آریہ بلند آواز میں بتا رہی تھی۔ مومو نے سر اٹھا کر
 دیکھا۔ مومو واقعی اچھا ہو رہا تھا بے حد ابر آلود ٹھنڈا
 ٹھنڈا مومو کے دل کی ٹپکی۔ او اپنے گھر سے نکل
 کر ان کے گیٹ کی طرف آگئی جو کیدار نے گیٹ کھول
 دیا۔ وہ ست قدموں سے چلتی ہوئی اوپر ان کے پاس
 ٹیرس پہ پہنچی۔

”اے مومو! کیسی ہو؟“ معظم اسے دیکھتے ہوئے
 سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

”تم نہیں جانتے کہ میں کیسی ہوں؟ وہ عجیب سے
 لمبے میں کھتی کرسی ٹھیک کر بیٹھ گئی تھی۔
 ”میں جانتا ہوں تم بہت اچھی ہو۔“ وہ مسکرا کے

بولی۔

”کیا تم بھی اتنے ہی اچھے ہو؟“ وہ اسے بغور دیکھ
 رہی تھی۔

”بالکل بھی نہیں۔“
 ”ویسے اچھوں کے ساتھ کبھی اچھا تو نہیں ہوتا۔“
 آریہ کے ہاتھ سے کپ تھامتے ہوئے وہ آہستگی سے

بولی۔

”تمہارے ساتھ کیا برا ہوا ہے؟“ معظم نے دلچسپی

سے پوچھا تھا۔

”اچھی تو مجھے خود بھی نہیں پتہ۔“

”ایک بات کہوں مومو؟“ اس کے سوال پہ مومو

نے چونک کر دیکھا۔

”میں جب سے پاکستان آیا ہوں میں نے ایک بات

نوٹ کی ہے۔“ اس نے کرسی سے تھوڑا آگے جھکتے

ہوئے کہا جیسے مومو سے کوئی راز کی بات کرنا چاہتا

ہوں۔

”کیا؟“ وہ نظر جھکاتے ہوئے بولی۔

”یہی کہ تمہاری آنکھیں بوجھل اور گلابی گلابی لگتی

ہیں اور گلابی آنکھیں رتہ جگمگے کی سب سے بڑی نشانی
 ہیں۔“ معظم کہتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے ٹھہرا اور مومو
 اس کی طرف دیکھنے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

”اور رتہ جگمگے کی پہلی نشانی ہے جس کو تم
 جھٹلا نہیں سکتیں! معظم کے انداز میں یقین بھرا تھا۔
 ”تم یہ کیسے جانتے ہو؟“

”کیونکہ میں خود اس دور سے گزر چکا ہوں۔“
 معظم کی بات پہ مومو نے بری طرح چونک کر اسے
 دیکھا تھا۔

”یعنی تم بھی محبت کرتے ہو؟“ مومو کے سوال پہ وہ
 یکدم قہقہہ لگا کے ہنسا تھا۔

”لب تو محبت میں ماہر ہو چکا ہوں۔“ وہ دل کھول کر
 ہنستے ہوئے مومو کی بات کو انجوائے کر رہا تھا۔

”ویسے مادامک بات بتاؤ وہ خوش نصیب کون ہے
 جس کی چادھی موگل آقا۔“ اپنی طراز تکجیم

گلابی کر دیتی؟“ وہ ہنسا رہی تھی۔
 آج وہ فارغ تھا اور ذرا آفریش موڈ میں سی لیے اس کے

وہی پرانے رنگ ٹھنک نظر آ رہے تھے۔
 ”پہلے تم مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے جس نے تمہیں

محبت میں ماہر کر دیا ہے؟“

مومو کو اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی تھی۔ حل تھا کہ
 کسی بچے کی طرح سہا جارا تھا۔

”بتا دو! وہ شرارت سے بولا۔

”ہاں۔“ حلق سے بمشکل لفظ نکلا تھا۔

”او۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور وہ سے

ہوئے دل کے حوالہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

وہ اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آگیا۔

”بیٹھو یہاں۔“ اس نے مومو کو بیڈ پہ بٹھا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ ہماری سے چھوٹی سی ٹھنکی ڈبیا

نکل کے لایا تھا۔

”مہر کا ٹفٹ ہے۔“

”دیا کیوں نہیں؟ موقع کی مناسبت سے دوں گا۔“

معظم نے اس کے سامنے ڈبیا کھول دی۔ اس میں
 انتہائی خوب صورت انگوٹھی جگمگا رہی تھی اور انگوٹھی

میں ڈبل ایم لکھا ہوا تھا۔ اتنے چھوٹے لفظوں میں کہ
 بغور دیکھنے سے دکھائی دیتا تھا۔
 ”موقع کی مناسبت؟“

”ہاں یار! منتہی کے دن۔“ مومو کے گویا پرچے اڑ
 گئے تھے پاؤں کے نیچے جلنے انگارے سینے پہ آگئے۔
 ”منتہی؟“

”ہاں! آج ہی اور پلا مہر کے گھر انجیم منٹ کی
 ڈیٹ طے کرنے گئے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ لوگ دو
 تین دن کی ڈیٹ دے دیں گے پہلے ہی انتظار میں اتنا

وقت گزر گیا ہے۔“

معظم جو کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ مومو کے حوصلے سے
 زیادہ تھا۔ دل کی لاش اٹھا کر واپس آنا مشکل ترین
 مرحلہ تھا۔

بے م قدموں۔ وہ باہر نکلی تو دھواں دھار بارش
 کو بھی لگ گئی۔ سنا سناؤں ایک

ہی بوجھاڑ میں اسے کیا۔ اور وہاں من من بھر
 کے قدم جھٹاتی دوش پہ نکل آئی تھی۔ معظم کی گھر سے

اسے اپنے گھر تک جانا تھا۔

وہ جھٹکے جھٹکے انداز سے چلتی گیٹ سے نکل آئی۔
 بارش اتنی تیز تھی کہ روڈ پہ طوفان اور بارش کی وجہ

سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف طوفان کا شور
 تھا اور وہ یونہی دھیمے قدموں چلتی آ

داخل ہوئی تھی جو کدھر۔“ کر لایا

تھا اور پورا گٹ، اکر دیا تھا اندر بوا دی سائیکل

مزد آگے نہ برہہ سکی۔

”پھوٹی بی بی! جو کیدار چیخا اٹھا۔ مومو کھڑے قدم

سے تھوڑا گئے کرسی تھی۔ وہ دوش کے درمیان

بے ہوش پڑی تھی اور موسلا دھار بارش برس رہی تھی۔

جو کیدار فوراً اندر بھاگا تھا۔ اتفاقاً ملکہ اتفاق گھر پہ ہی

تھیں وہ بھی بھاگتی ہوئی باہر نکلیں اور مومو کو اس حال

میں دیکھ کر سر تپا کانپ گئی تھیں۔

”مومو! انہوں نے اس کا سر اٹھا کر گود میں

رکھا۔
”بیگم صاحبہ! ان کو اندر لے چلیں۔“ ملازمہ آگے
بڑھی لیکن ملکہ اتفاق اسے اندر لے جانے کے بجائے
ہسپتال لے گئی تھیں۔!

اس کانروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ وہ ابھی تک
بے ہوش تھی اور وہ سب ہی پریشان سے بیٹھے تھے بلکہ
اتفاق چپ چاپ لبیبے بیٹھی تھیں سب کو الجھن
تھی کہ مومو کو آخر ہوا کیا ہے؟
”پلیز آئی! آپ بالی لی لیں وہ ٹھیک ہو جائے گی!“
مراور اس نے ملکہ کو پانی پلانا چاہا۔ وہ کب سے
یونہی بھوکی پاسی بیٹھی تھیں۔
”پانی لوں گی وہ ٹھیک تو ہو جائے۔“ انہوں نے انکار
کر دیا۔

”ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائے گی۔ ڈاکٹر جیتا
رہے ہیں کہ وہ کچھ دیر تک ہوش میں آجائے گی۔“
نشاط بیگم نے بھی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی
لیکن انہی تسلیوں میں رات گزر گئی اور صبح فجر کے
قریب اس کے جسم میں تھوڑی حرکت ہوئی تھی۔
”معظم! نیم بے ہوشی میں بھی ایک سی نام لیوٹل پر
تھا۔“

”مومو! آنکھیں کھولو۔“ معظم نے آگے بڑھ کے
اس کا ہاتھ قلم لیا۔
”معظم! اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔
”میں سن رہا ہوں مومو! کیا بات ہے؟ کیا ہوا ہے؟“

وہ جی جان سے متوجہ تھا اور مومو اسے جی جان سے
دیکھنے لگی تھی۔ اتنی محبت سے کہ آنکھوں میں پانی
بھر آیا۔
”تم نے تو ڈر ہی دیا تھا مومو! مہر کی آواز اس کے
دائیں طرف سے سنائی دی تھی اور مومو کا ہاتھ معظم
کے ہاتھ میں بے دم ہو گیا۔
”مومو! وہ ذریعہ بر ملا۔
”اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ دیکھو ملکہ آئی

کتنی پریشان ہو رہی تھیں تمہارے لیے۔“ مہر نے
ملکہ اتفاق کی سمت اشارہ کیا۔
”ہاں! تم نے تو ہماری جان ہی نکل دی تھی۔“ تنہو
بھی خفگی سے گویا ہوا۔
”اور جس کی سچ جان نکل گئی ہو؟“ مومو مہم
سے لہجے میں بولی۔
”اللہ نہ کرے۔“ ملکہ اتفاق تڑپ گئیں۔
”اللہ نے کر دیا ہے مام! مومو مول ہی دل میں کتنی
سے تھی۔
”آپ لوگ پلیز پیچھے ہٹیں ہمیں چیک آپ کرنے
دیں۔“ ڈاکٹر اور نرسیں سر پہ آکھڑے ہوئے تھے۔
وہ بھی پیچھے ہٹ گئے۔
”آپ ہمارے ساتھ آئیے مسز اتفاق!“ ڈاکٹر چیک
آپ کرنے کے بعد انہیں اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل
گئے۔ اور ملکہ اتفاق نے کمری خدشے کے تحت
بے ساختہ مقدم جاہ اور معظم کی طرف دیکھا تھا۔
”ڈونٹ وری کچھ نہیں ہوگا“ آئیے میں بھی آپ
کے ساتھ چلتا ہوں۔“ معظم نے ان کی امت بند حالی
اور انہیں ساتھ لیے کمرے سے نکل آیا تھا۔
”آئیے بیٹھے مسز اتفاق!“ ڈاکٹر نے کرسی کی سمت
اشارہ کیا تھا۔
”آپ لوگ جانتے ہیں کہ انہوں نے کس چیز کا اتنا
اثر لیا ہے کہ ان کانروس بریک ڈاؤن ہو گیا؟“ ڈاکٹر
نے معظم سے استفسار کیا تھا۔
”ان فیکٹ سر! میں تقریباً چار سال بعد انگلینڈ
سے پاکستان آیا ہوں اور مجھے آئے ہوئے ایک ماہ ہو گیا
سے لیکن میں پچھلے ایک ماہ سے قیل کر رہا ہوں کہ وہ
پہلے جیسی شخص خوشگ سی نہیں رہی بہت الجھی الجھی
اور چپ چاپ سی رہتی ہے۔ کل بھی میں نے اس سے
بھی سب پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے کچھ
نہیں بتایا بلکہ کچھ ہی دیر بعد اس کی بے ہوشی کی خبر مل
گئی۔“ معظم نے نارمل سے انداز میں سب بتایا تھا۔
اس کے تو وہ ہمو گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ سب مومو
کے نہ بتانے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ معظم کے

بتانے کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔
”ابنی دے میں نے آپ لوگوں کو یہ کہنے کے لیے
ایا ہے کہ مول اتفاق کے معاملے میں آپ کو ہمیشہ
ملی احتیاط کرنا ہوگی۔ وہ بہت ہی کمزور اعصاب کی
مالک ہیں۔ اگر کسی بات پر ان کانروس بریک ڈاؤن ہو
سکتا ہے تو اسی طرح کسی صدمے یا دھچکے کی وجہ سے
ان کا ہارٹ فیل بھی ہو سکتا ہے پلیز نکسٹ ٹائم بی کیئر فل“
”جب سے اپنی خبر نہیں رہی۔“ وہ بے تاثر سے
انداز میں بولی۔
”زیادہ فلا سٹرن بننے کی کوشش مت کرو۔ اور میرے
ساتھ چلو۔“
”کہاں؟“ مہر کے لیے لنگیج منٹ ڈریس لینا
ہے۔ اور یہ اور زمانہ بھی جا رہی ہیں تم بھی چلو۔“
”میرا موڈ نہیں ہے۔“
”سوچ لو۔“

”میں سوچ کر ہی جواب دے رہی ہوں تم لوگ
جاؤ“ میں نے نہیں جانا۔ اس نے پھر والیوم بڑھا دیا
تھا۔
”دیکھا ہوں تم کیسے نہیں جانتیں؟“ معظم نے
ریموٹ جھپٹ کر لی وی آف کیا اور اس کی کلائی دلوچ
کر رہی طرف چل پڑا۔
”معظم! پلیز!“ وہ کہتی رہ گئی لیکن اس نے اب
گاڑی میں کمر لیا تھا اور ڈرائیو سیٹ پر آ
کر گاڑی اشارت کر دی۔
”کیا بات ہے مومو اتفاق کیوں ہے؟“ اریبہ نے
پوچھا۔
”اے اس کا ہمارے ساتھ آنے کا موڈ ہی نہیں تھا۔“
معظم نے بہن کو اطلاع دی۔
”ارے کیوں یار؟“ اوہ وہ مہر ہے کہ آرڈر دے رہی
تھی کہ میری لنگیج منٹ گاڑی میں مومو بسند کرے گی
اور مومو۔۔۔“ اریبہ نے خفگی بات اور مہر کی
چھوڑ دی لیکن مومو۔۔۔
”ہاں ذرا ان اکل کی وجہ مہر۔ معظم کے
ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا لیکن ساتھ میں یہ بھی
کہہ دیا تھا کہ اس گاڑی میں مومو کی پسند کا ہونا چاہیے
اسے مومو کی پسند۔ اعتماد ہے۔“ اریبہ نے مزید بتایا۔
”کیوں اسے معظم کی پسند؟ اعتماد نہیں ہے؟“
مومو نے عجیب سے انداز میں کہتے ہوئے معظم کو اک
نظر دیکھا۔
”وہ کہتی ہے معظم بھائی کی پسند کوئی خاص نہیں
ہے۔“

ڈاکٹر نے کہہ کر ان کا دل غماؤف کر دیا تھا مسز ملکہ
اتفاق پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔
معظم بھی چکرا کے رہ گیا تھا۔!

جیسے ہی وہ ہسپتال۔ ڈسچارج ہو کر گھر آئی مراور
معظم کی لنگیج منٹ کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں
مومو نے ان دونوں کی خوشیاں دیکھیں۔ ہونے والی یہ پھر
رکھ لیا تھا مومو اپنے غم کو عیاں کر کے ان کی خوشی
آڑے نہیں اٹا چاہتی تھی۔ اس نے کسی کی خوشیوں
کو بری نظر سے دیکھنا نہیں سیکھا تھا۔
معظم کو مہر کا نصیب ملن کر قدم پیچھے ہٹا لیے تھے
اور خود کو بے نیاز نکال کر کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ
اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی تھی
لیکن۔۔۔ دل تو دل تھا کسی ذرا سی بات پر بھی پھل جاتا
تھا۔ آج بچے رکھے مومو کی طرح۔!

”ملکہ آئی! مومو کہاں ہے؟“ معظم عجلت میں
اندر داخل ہوا تھا۔ وہ آج کل پھر پہلے کی طرح اس کا
خیال رکھنے لگا تھا اور ملکہ اتفاق اس کے لیے بھا
بست منگور تھیں۔
”وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہے۔“ انہوں نے
اشارہ کیا۔
”مومو!“ وہ پکارتا ہوا اندر داخل ہوا۔
”ہوں؟“ اس نے لی وی کا والیوم کم کر دیا۔
”تم نے خبریں کب سے سننا شروع کر دی ہیں؟“
وہ نوز چیل دیکھ کر حیرت سے بولا۔

”یعنی مہر کوئی خاص نہیں ہے؟“ اس کی بر جستگی پہ
معظم تہقیر لگا کے ہنس پڑا تھا۔
”کیا کمال کی بات ہے یار!“
”کمال کی بات کی ہے نہ کمال تو نہیں کیا ناں؟“
مومو تلخی سے ہنسی۔

”بڑی تیز ہو گئی ہو۔“
”اسی لیے تو پیچھے رہ گئی ہوں، سست ہوتی تو شاید
آگے نکل جاتی۔ خرگوش اور کھوے کا قصہ تو تم نے
سنای ہو گا؟ میں بھی خرگوش کی طرح تھوڑی دیر
سستانے کی غرض سے لیٹ گئی تھی۔“
مومو کی باتیں اسے اکثر حیرانی میں ڈال جاتی تھیں۔
اس وقت بھی وہ کچھ نہ کہہ سکا البتہ اسیہ اور امانہ نے
اس بات پر خوب بحث کی تھی۔ مومو چپ چاپ سنی
رہی اور مارکیٹ پہنچ کر مہر کے پیغام کو پائیے تکمیل تک
پہنچانے میں لگ گئی۔ اس نے مہر کا ڈرائیو پور سے دل
سے اور ایمان داری سے پسند کیا تھا سب ہی کو وہ ڈرائیو
بہت پسند آیا تھا۔



”کاش مومو مجھے تم سے ملتی ہو۔“
معظم اسے دیکھ کر آہ بھر کے رہ گیا تھا۔ سبز ملک
آفاق نے یہ ڈرائیو اس کے لیے خود ڈیزائن کیا تھا اور
مومو نے وہ ڈرائیو پس کر اسے چار چاند لگا دیے تھے۔
وائٹ کمر کے سوٹ پہ گولڈن کڑھالی بڑی منفرد اور
نفس کی چھب دکھا رہی تھی۔ وہ بچے کے دونوں پلوں
پہ بھی گولڈن بارڈر بنا ہوا تھا اور ٹیس کی فرنٹ سائیڈ پہ
تجلی کافی خوب صورت کلم کیا گیا تھا۔ سیچنگ سینٹرل
اور جیولری بھی سبز ملک آفاق کی اپنی چوائس تھی۔
مومو انہی کے اصرار پہ انہی کی پسند سے تیار ہوئی تھی
لیکن جب وہ ان کے ساتھ ہل میں پہنچی تو پہلا سامنا
معظم سے ہی ہوا تھا۔ وہ بلیک تھری پیس سوٹ میں
ملبوس بہت شاندار لگ رہا تھا اور معظم بھی مومو کی
خوب صورتی کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکا تھا۔ یہاں
تک کہ اس نے دل پہ ہاتھ رکھ کے آہ بھری تھی۔

”پھر کیا ہوتا؟“ مومو نے اس کے کاش پہ نقطہ اٹھایا
تھا۔

”پھر یہ ہوتا کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر وہاں پہنچ
لے جاتا اور اس مہر میں ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا
دیتا۔“ اس نے مومو کا ہاتھ تھام کے کہا۔
”آج تمہارے ہاتھ میں یہ ہاتھ اچھا نہیں لگ رہا“
آج تمہارے ہاتھ میں وہ ہاتھ اچھا لگے گا۔۔۔“ مومو
نے گاڑی سے اترتی مہر کی سمت اشارہ کیا تھا۔ معظم کی
نگاہیں مہر کی طرف متوجہ ہوئیں تو وہ وہاں سے ہٹ گئی
اور ہاتھ میں پکڑے چھوٹے سے وائٹ پرس سے نشو
نکل کر آنکھوں کے پیچھے کوٹنے سے نمی جذب کی
تھی۔ وہ ایک بیل کے پاس کرسی اکھیچ کے بیٹھ گئی۔
مقدم جاہ لانے منگنی خاصے وسیع پیمانے۔ اورنگی تھی
لوگوں کی تعداد دیکھ کر شاہی کا گمان ہو رہا تھا۔

مہر سے مل کر وہ جہاں بیٹھی تھی وہیں بیٹھی رہی۔
سمان آتے رہے اور ریش بڑھتا رہا۔ برویسر سبز ان احمد
کی طرف سے بھی کافی سمان انوائٹڈ تھے دونوں
بیملزم سے پہلہ خوش تھیں بلکہ آفاق کو ان کے جاننے
والوں نے گھیر رکھا تھا اور مومو ان کی بیٹھی سب کو دیکھ
رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد انگوٹھی پہنانے کا
وقت آیا اور مومو کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر دیا
تھا۔ وہ اس کے سامنے مہر کو انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ مومو
میں دیکھنے کی ہمت نہیں تھی وہ کرسی سے اٹھ کر تیز تیز
قدموں سے چلتی ہل سے نکل گئی۔

”مومو!“ ملک آفاق نے اسے ہل سے نکلتے
دیکھ لیا تھا۔ لوگ لڑکے لڑکی کی طرف متوجہ تھے کسی
اور طرف دیکھنے کا دھیان ہی نہیں تھا۔
مومو اپنی سکیوں کو دیاتی پارکنگ میں اپنی گاڑی
تک پہنچی اور ہل میں گاڑی نکال لے گئی۔

”مومو کو!“ وہ پیچھے سے پیچیں لیکن وہ بھلا کب
سن رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ڈرائیو کو اشارہ کیا اور
گاڑی میں بیٹھ گئیں۔



وہ دھواں دھار روتی ہوئی سیدھی گھر پہنچی تھی۔

شکر تھا کہ راستے میں کسی ایکسیڈنٹ سے بچ گئی تھی
ورنہ جس حالت میں وہ ریش ڈرائیو لگ کر تھی ہوئی آئی
تھی اسے دیکھ کر ملک آفاق کو یقین تھا کہ وہ اپنے آپ کو
نقصان پہنچانے لگی۔ ان کا دل سوکھے پتے کی طرح لرز
رہا تھا۔ ان کا ڈرائیو بھی مومو کے برابر ہی پہنچا تھا۔
مومو گاڑی سے اتر کر اندر چلی گئی اور اتنی ہی تیزی سے
ملکہ آفاق اس کے پیچھے آئی تھیں۔

”مومو!“ وہ اس کے بیڈ روم کا دروازہ اک جھٹکے
سے کھول کر اندر داخل ہوئی تھیں۔ مومو کا پرس
کھینچا ہوا جوتے کھینچ اور خود کھینچ کر بے میں
اس کی پچکیاں سنائی دینے لگی تھیں۔ ملک آفاق کے
قدم زمین سے جکڑ لیے تھے۔

”مومو!“ ان کے منہ سے بمشکل اس کا نام ادا ہوا
تھا۔

”مام!“ مومو تڑپ کے سیدھی ہوئی اور ان کی
پانگوں سے لیٹ گئی۔ ”منہ پہ کری ہی کری۔“

وہ کچھ اس طرح تڑپ کر روئی کہ ان کا دل پھٹ گیا
تھا۔ وقت بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ چھ بیس سال پیچھے۔
جب ان کی حالت بھی ایسی تھی جب وہ بھی ماما ہی
آپ کی مانند تڑپتی تھیں جب ان کا دل بھی اپنی ”جاہ“
کے لئے مام نہن ہوا تھا۔ تب انہیں بھی صبر نہیں
آیا تھا۔ اتنے سال لگ گئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ میر تو آ
گیا پر دل کے دل غم نہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی
لودینے لگتے۔ اور آج۔۔۔ آج مول آفاق بھی؟ سبز
ملکہ آفاق کھڑے کھڑے راکھ کا ڈھیر بن گئی تھیں۔ ان
کی بیٹی ان کے قدموں میں بیٹھی تڑپ رہی تھی بلکہ
رہی تھی۔

”اسے میری محبت کا احساس ہی نہیں ہے مام!
اسے پتہ ہی نہیں کہ پیچھے ساڑھے چار سالوں سے
مول آفاق دل کی ہر دھڑکن پہ درد کر رہی ہے اس کے
نام کا اسے مہر کی محبت نظر آئی اور مومو؟ نہ مومو
دکھائی دی نہ اس کی محبت؟ اگر وہ اس کے بغیر نہیں رہ
سکتا تو کیا میں اس کے بغیر رہ سکتی ہوں؟ ہائیے ناں مام!

کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں وہ سکوں گی؟ کیا میں جی لوں
گی؟“

مومو ان کی ٹانگوں سے لپٹی انہیں جھنجھوڑ رہی تھی
وہ اس کی ہاں تھیں اسے تکلیف میں دیکھ کر انہیں خود
افیت ہو رہی تھی۔

”میں اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، مام!
مراؤں کی میں۔“

وہ تڑپ تڑپ کے ہلکان ہو رہی تھی۔

”وہ میرا نصیب ہے مومو!“

”وہ میرا نصیب کیوں نہیں تھا؟“

”اسے تم سے محبت نہیں ہے۔“

”مجھے تو اس سے محبت ہے نا؟“ وہ اس کی بات سے
لاجواب ہو گئیں۔

”بھول جاؤ اسے۔“

”بھولتے بھولتے میراؤں گی۔“

”مروتہ میں گئی، ناں“ ملک آفاق خود کلامی کے
انداز میں بولی جس۔ انہیں مومو کی طرف

خوشے تھے۔ وہ یقیناً ثابت ہوئے تھے انہیں پہلے بھی کئی
بار شک گزرا تھا کہ مومو معظم میں انٹر سٹڈ ہے لیکن
پھر وہ اپنا شک سمجھ کر ٹال گئی تھیں۔ مگر آج۔۔۔

انہوں نے اس کی حالت کے پیش نظر اسے
ٹرینکولا نڈر دے کر سلا دیا تھا اور خود اس کے پاس اس
کے سرانے بیٹھ گئی تھیں۔ مومو کا سرانہ ۱۰
میں رکھا ہوا تھا۔ وہ اس بال ۱۰ اس
کے چہرے ۱۰ اس کی لکیریں بغور دیکھ رہی جس
جن کو دیکھ کر خود ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور
ان کے آنسو بے اختیار ہو کر مومو کے بالوں میں
جذب ہو گئے تھے۔ وہ ساری رات اسی طرح بیٹھی
سوچتی رہی تھیں۔!



”یا زاتم نہیں جانتیں کہ میں یہ دن انگلیوں پہ مگن
کے گزار رہا ہوں، یہ مین ماہ میرے لیے براڑ بن گئے
ہیں، وقت گزر رہی نہیں رہا؟“ معظم ڈرائیو لگ کے

دوران اپنی بے قراروں کا اظہار کر رہا تھا اور مہر چپ چاپ اس کی چاہتوں کی پھوار میں من کو بھگوئی رہی تھی۔
 "کیا جیسی بے قراری مجھے ہے ویسی تمہیں بھی ہے؟
 اس نے کتے کتے مہر سے اس کے دل کی پوچھ ڈالی۔
 "مہر لوٹاں چپ کیوں ہو؟" اس نے اصرار کیا۔
 "نہیں۔" اس نے ٹہنی میں سر ہلایا۔
 "کیوں؟" اسے اچھبھا ہوا۔
 "کیونکہ میں آپ جیسی بے وقوف نہیں ہوں۔"
 "میں بے وقوف ہوں؟"
 "لوگ کہتے ہیں کہ سمجھ دار لوگ محبت نہیں کرتے۔" مہر نے لاپرواہی سے کہا۔
 "تم سمجھ دار نہیں ہو تو کیا تمہیں محبت نہیں ہے؟"
 مستم نے جان بوجھ کر پوچھا۔
 "میں نے کب کہا کہ میں سمجھ دار نہیں ہوں؟"
 "اور یعنی تمہیں محبت نہیں ہے؟" معظم نے سر ہلایا۔
 "کہہ سکتے ہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔
 "اس کا مطلب ہوا کہ میں واقعی بے وقوف ہوں؟"
 وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولا تھا۔
 اور مہر اپنی مسکراہٹ چھپا گئی تھی لیکن اپنے گھر کے گیٹ پہ پہنچ کر اس کی ساری مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی حنان درانی اپنی لینڈ کروڈر لیے کھڑا تھا۔ معظم گاڑی پارک کر کے نیچے اتر آیا۔
 "السلام علیکم!" معظم نے ہی آگے بڑھ کے اس سے ہاتھ ملایا تھا لیکن اس کی نظر گاڑی سے اترتی مہر پہ تھی۔
 "میرا نام معظم ہے میں۔"
 "جانتا ہوں مسٹر معظم جاہ! آپ مہر زیشان کے تانہ ترین منگیتر ہیں۔" حنان درانی نے معظم کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔
 معظم کی پیشانی پہ ہل پڑ گئے تھے۔
 "یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" اس نے ناگواری سے کہا۔

"مسٹر معظم جاہ! آپ نہیں جانتے میں پچھلے پانچ سال سے طریقے سے ہی بات کرتا آ رہا ہوں لیکن نہ تو پروفسر صاحب میرے طریقے کو سمجھ رہے ہیں اور نہ ہی پروفسر صاحب کی بیٹی۔ سیدھے سیدھے طریقے سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ رشتہ بھیجا تھا منت کی بھی لیکن آخر ایسا کیا ہے جو آپ میں ہے اور مجھ میں نہیں ہے؟ میں یقین کے ساتھ شرطیہ کہتا ہوں کہ میں فیملی بیک گراؤنڈ کے لحاظ سے بھی آپ سے زیادہ اسٹرانگ ہوں پھر بھی۔ پھر بھی مجھے چھوڑ کر آپ کو کیوں چنا گیا؟"
 حنان درانی کے لب و لہجے سے آج جو نرسٹری اور جھڑپ مٹتی ہو رہی تھی۔ مہر زیشان ہو گئی۔
 "معظم؟" وہ معظم کے تئیں بھانپ اچھی تھی۔
 "تم اندر جاؤ مہر! اس نے پلٹ کر مہر کو اشارہ کیا۔
 "لیکن آپ۔۔۔"
 "میں کہہ رہا ہوں تم اندر جاؤ۔" غصے سے بلند آواز میں بولا۔
 تو مہر کو قدم اندر بڑھانے پڑے لیکن وہ بھاگتی ہوئی میراں بیگم کے پاس پہنچی تھی۔
 "میری ہونے والی بیوی یہ ایسی اجارہ داری؟"
 حنان درانی نے معظم کا گریبان پکڑ لیا تھا اور معظم اس کے منہ سے بیوی کا لفظ سن کر یکدم مشتعل ہو گیا۔
 اس نے زوردار گھونسا حنان درانی کے منہ پہ دے مارا اور تھوڑی دیر میں ہی وہاں لوگوں کا جھوم جمع ہو گیا تھا۔
 اندر سے زیشان احمد اور میراں بیگم بھی بدحواسی میں باہر آئے تھے۔ حنان درانی کے ناک کور منہ سے خون بہہ رہا تھا اور گریبان بھی پھٹ گیا تھا وہ دونوں ہی زیشان احمد کے قابو سے باہر تھے۔ انہوں نے بہت سچ بچاؤ کروایا مگر کوئی بھی ٹلنے والا نہیں تھا بالآخر لوگوں نے مل کر معظم کو گیٹ کے اندر دھکیلا اور گیٹ بند کر دیا۔
 اور کچھ حنان درانی کو اس کی گاڑی کی طرف دھکیلنے لگے۔ بڑی مشکل سے معاملہ ٹھنڈا پڑا اور وہ لوگ اندر آ گئے۔
 "بیٹا! تمہیں کیا ضرورت تھی اس کے منہ لگنے کی؟"

زیشان احمد نے معظم کی کپٹی سے بہتے خون کو دیکھ کر میراں بیگم کو فرسٹ ایڈ باکس لانے کو کہا۔
 "آپ لوگوں نے اتنے عرصے سے اسے ٹھیک طرح سے نہیں سمجھایا اس لیے روز منہ اٹھائے چلا آتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اب سمجھ گیا ہو گا؟"
 "بیٹا! میں جان بوجھ کر اس کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آتا تھا۔ مجھے پتہ ہے ایسے لوگ زیادہ سخت اور خمدی ہو جاتے ہیں۔ ہلاری سختی اور غصہ ان کی ضد کو ہوا دینے کا کام کرتے ہیں اور ویسے بھی اس نے ہمیں کبھی زیادہ تنگ نہیں کیا اس کی فیملی تقریباً دو سال سے کینڈا شفٹ ہو گئی ہے وہ بھی کینڈا میں ہی ہونا ہے بس کبھی کبھار کام کے سلسلے میں پاکستان آتا ہے اسی لیے مجھے اس کی طرف سے زیادہ پریشانی نہیں تھی لیکن آج تو۔۔۔ وہ بات ادھوری چھوڑتے ہوئے خاموش ہو گئے۔
 "بہر حال آپ پریشان نہ ہوں میں کیہ لوں۔"
 معظم کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔
 "رے بیٹھو ناں کہاں جا رہے ہو؟ اتنا خون بہہ رہا ہے۔" میراں بیگم اندر آتے ہوئے بولیں۔
 "اٹس اوکے! منہ صاف ہو جائے گی میں چلا ہوں۔" وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔
 "بابا کیا ہوا ہے؟" مہر زیشان سا اندر داخل ہوا تھا۔ شاید کہیں سے اسے بھی اس ہنگامے کی اطلاع مل گئی تھی۔
 "کچھ نہیں ہوا۔" معظم نے جواب دیا تھا۔
 "لیکن یہ خون؟" مہر کی نظر اس کی پیشانی اور شرٹ کی طرف اٹھی جن پہ خون کے مسخ دھبے نظر آ رہے تھے۔
 "کہا تو ہے کہ کچھ نہیں ہوا۔ سب خیریت ہے۔" معظم اس کا کندھا تھک کر باہر نکل آیا تھا لیکن راہداری کے کونے میں گھڑی مرکاڈل ٹرپ کے رہ گیا تھا۔
 معظم نے اس کی پریشان صورت اور آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کو محض اک نظر دیکھا اور باہر آ گیا۔

 "لگتا ہے تم تو اسلام آباد میں ڈیرہ ڈال کے بیٹھ گئی ہو؟" مہر نے شکوکہ کیا تھا اور مومو مسکرا دی تھی۔
 "کافی پرسکون شہر ہے واپس آنے کو دل نہیں چاہ رہا۔" مومو ملکہ آفاق کے ساتھ پچھلے ایک ہفتے سے اسلام آباد آئی ہوئی تھی مومو نے اسلام آباد میں اپنی بوتھ کی نئی برانچ کا افتتاح کرنا تھا۔ اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں مومو کے اکیلے پن کی وجہ سے وہ اسے بھی ساتھ لے آئی تھیں اور مومو خود بھی اس ماحول سے دلکشا چاہتی تھی اس لیے مومو نے پھرے کی غرض سے آگئی تھی۔
 "یعنی تم شہر کو انجوائے کر رہی ہو تم نے ہمیں مس نہیں کیا؟" مہر خفگی سے بولی۔
 "تم بھی یہیں آ جاؤ۔" مومو نے آفر کی۔
 "خیر۔ مری شادی قرب۔۔۔" اس نے سر ہلایا۔
 "کیسی سلیپ؟"
 "میری شاپنگ دیر ہوئی مجھے سب کچھ خود ہی کرنا پڑ رہا ہے۔ ابھی بھی ای کے ساتھ مارکیٹ جا رہی ہوں۔ معظم کی فیملی کے لیے کچھ گفتش لینے تھے۔ سوچا آج ہی چٹائیں۔" مہر نے اپنی دھن میں بتایا۔
 "اوہ اچھا!"
 "گورنر ہیں تم یہ بتاؤ کہ تم کس طرح۔۔۔" کی کیا میری طرف؟" مہر نے کہا۔
 "تمہاری طرف سے۔" مومو نے دیکھتے دیکھتے کہا۔
 "واؤ۔۔۔ گویا تم میری طرف ہو لڑکی والوں کی سائیڈ پہ؟"
 "ہاں۔۔۔ اس نے آہستگی سے کہا۔
 "متھینک یو سو میچا ر! مہر خوش ہو گئی تھی۔
 "اس کے لیے کیا گفت لینا ہے تم نے؟" مومو نے نجانے کیوں پوچھ لیا۔

”معظم کے لیے؟“

”ہاں۔۔۔!“

”کیا میں کم ہوں اس کے لیے؟“ مرزا کے بولی۔
”وہ بے کتا ہے کہ گفت میں دل کا تم نہیں۔“
مرنے شہرے ہوئے کہا۔
”کیا دے گا؟“

”اپنا دل اپنی جان اپنی زندگی۔“ مرزا حقائق
بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
”مطلب کہ سب کچھ؟“
”آف کورس یار!“

”اللہ مبارک کرے۔“ مومو نے دل سے کہا
تھا۔
”مفتیک یو۔“
”اوسکے اللہ حافظ۔“ اس نے کہہ کے فون بند کر دیا
تھا۔

”مرزا غوا ہو گئی؟“

بس اک ہی خبر تھی جو ہر طرف سنائی ہوئی پہنچ
رہی تھی اور سب کے روئے کھڑے ہوتے جا رہے
تھے۔

یہ خبر مومو اور سز ملکہ آفاق تک بھی پہنچی تھی۔
وہ پہلی فلائٹ سے ہی واپس آ گئی تھیں۔ اپنا کام بھی
ادھورا چھوڑ آئی تھیں اور زندگی میں پہلی بار وہ میراں
بیگم کے گھر آئی تھیں۔ میراں بیگم کو چھوٹی بہن کی
پہلی بار اپنے گھر آئے۔ خوشی کیا ہوئی کہ وہ اپنی بیٹی کی
گمشدگی کا غم سینے سے لگائے بیٹھی تھیں، پانی سب
بھی ان کے گھر ہی تھے۔ سب ہی ان کو تسلیاں دے
رہے تھے۔ حمزہ الگ اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ معظم اور
مقدم جاہ الگ بھاگ دوڑ کر رہے تھے لیکن پچھلے اٹھ
گھنٹوں سے کسی کو بھی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

”یہ سب ہوا کیسے؟“ سز ملکہ آفاق نے میراں بیگم
سے پوچھا وہ دور دراز محال ہوئی جا رہی تھیں۔
”ہم دونوں شاپنگ کرنے گئے تھے شاپنگ کر کے

مارکیٹ سے نکلے تو یاد آیا کہ میں کپڑوں کا شاپر اند
دکان کے کاؤنٹر پر ہی رکھ کے بھول آئی ہوں۔ اس
میں نے مہر کو سڑک کنارے کھڑا ہونے کو کہا اور خود
اندر چلی گئی پھر یہ نہیں چلا کہ میری مہر کہاں چلی گئی
پوری مارکیٹ اور سڑکیں جھان ماریں لیکن وہ کہیں
نظر نہیں آئی کہیں نہیں ملی۔ ”وہ تڑپ کر رو پڑی
تھیں۔“

”میری بیٹی، میری دلہن، ڈیٹھن احمد! میری بیٹی۔
نجانے کیا جاتی ہے؟ کیا گزری ہے اس پر؟“ وہ سینہ
پیٹ کے رو رہی تھیں۔

”پلیز میراں! بھر کر دے۔“ اب بھی ہوگی ٹھیک ہوگی
سب کو شش تو کر رہے ہیں۔ ”ملکہ آفاق نے ان کے
کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔
رات کے بارہ بجنے کو ہیں وہ سری تانہ لگتے والی
سے تیز اور کل میں برفا فرق ہوتا ہے ملکہ! دعا کرو میری
مہر آج ہی آجائے۔“ میراں بیگم نے ملکہ آفاق کے
دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔ وہ بن کے دکھ رہی تھی
تھیں اور سر جھکا لیا تھا۔ وہ کیسے انہیں سمجھا میں اور
تسلی دیتیں۔؟

”یہ سب اس حنان درانی کا ٹھیکل ہے بس ایک بار
مل جائے میں دوبار اس کے گھر جا چکا ہوں لیکن گیٹ
پر لٹا لگا ہوا تھا۔“ حمزہ ڈرائنگ روم میں چکراتے
ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میں اب اور انتظار نہیں کر سکتا۔ میں پولیس میں
رپورٹ درج کروا رہا ہوں۔“ معظم نے اپنا فیصلہ سنایا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟“ ڈیٹھن احمد ٹھک گئے۔
”ٹھیک کہہ رہا ہوں اب اور کس انتظار میں ہیں
آپ لوگ؟“ معظم کا غصہ اندر ہی اندر لاوے کی طرح
پک رہا تھا۔

”تو کیا اپنی عزت خود اچھا دس؟ پولیس کو پتہ چلے
پھر میڈیا کو پتہ چلے اور پھر پورے پاکستان میں خبر پھیل
جائے کہ پروڈیوسر ڈیٹھن احمد کی بیٹی کو ان کے ایک پرانے
اسٹوڈنٹ حنان درانی نے اغوا کر لیا ہے۔“ ڈیٹھن احمد

پڑے تھے۔
”اور اگر عزت کے اچھالے جانے کے ڈر میں بچ
زنت خراب ہو گئی تو پھر؟“ معظم کا سوال بھی کیجے
خنجر کی مانند اتر اٹھا۔
”ہمیں اپنے طور پر کچھ کرنا چاہیے۔“ مقدم جاہ
ڈیٹھن احمد کے حامی تھے۔
”تو پھر سمجھ لیں کہ کچھ بھی نہیں ہو گا۔“ معظم کہہ
رہی تھی۔
”تم کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے حمزہ کو دیکھا۔
”میں بھی پولیس کو اطلاع دینے کے حق میں نہیں
ہوں۔ میں نے کہہ کر سر جھکا لیا تھا۔ وہ خود مقامی
خبر میں بطور صحافی کام کر رہا تھا۔ اسے پتا تھا کہ میڈیا
والے ایسی خبروں کے کامیابی لیتے ہیں اور کیسے اس کا
تجروہ نکالتے؟ انصاف اور مدد مانگنے والا لٹاؤ لیل ہو
کر جاتا ہے۔“

”تو پھر خود کچھ کوشش کرو، وہ تو گاڑا، لے نکل گیا
ہے۔“ مقدم جاہ نے حمزہ کو اشارہ کیا تھا۔ وہ بھی با،
نکل گیا۔
مومو گھبراہٹ سے ایک کونے میں چپ بیٹھی۔
نشاط بیگم اور ملکہ آفاق میراں بیگم کے دائیں بائیں
بیٹھی انہیں ڈھارس دے رہی تھیں، وہ بیٹی کے لیے
غش کھا رہی تھیں انہیں بار بار مہر کا خوشیوں سے
جھجکا آچہ اور شرمیلی سی مسکان یاد آ رہی تھی۔ وہ کتنی
خوشی خوشی ان کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھی اور
کتنی جلدی اس کی خوشیاں لٹ گئی تھیں۔

وہ مہر کو انگوٹوں کی طرح ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ پورا ایک
ماہ ہو چکا تھا لیکن نہ مرل سکی نہ حنان درانی۔ اس
نے حنان درانی کو ڈھونڈنے کے بہت جتن کیے تھے
لیکن ہر جگہ سے یہی جواب ملتا تھا کہ وہ کینیڈا چلا گیا
ہے اب پتہ نہیں کہ کام کے سلسلے میں کب واپس
آئے گا؟ وہ پچھلے ایک ماہ سے ٹھیک طرح سے سو نہیں
یا تھا۔ اگر سونے کے لیے لیٹ بھی جاتا تو تھوڑی دیر

میں ہی تڑپ کے اٹھ جاتا تھا۔ اور اکثر تو رات کے
وقت ہی گاڑی لے کر نکل جاتا تھا۔ اور مومو عمر کے
لیے جلنے کڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے لیے دل
مسوس کے رہ جاتی تھی۔

”چائے لے لو۔“ وہ لان میں اُدھر سے اُدھر چکر
رہا تھا۔
”ہوں! نہیں ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے انکار
کر دیا۔

”تم نے کھانا بھی نہیں کھایا اور ٹھنڈ میں یونہی گھوم
رہے ہو؟ کم از کم چائے تو لے لو۔“ مومو نے اصرار
کیا۔
”پلیز میراں! نہیں چاہ رہا ہوں تم جاؤ۔ یہاں سے۔“
”لیکن معظم!“

”آئی سے گیٹ لاسٹ فرام ہیئر۔“ وہ یکدم چیخ
اٹھا تھا۔ وہ اس وقت انتہائی فرسٹریشن کا شکار تھا۔ اور
حومو کا یوں مدخلت کرنا اسے زہر لگ رہا تھا۔

موبدک کے چار۔۔۔ تم پیچھے ہٹ گئی تھی اور
معظم کو بے یقینی۔ دیکھتی ہوئی بھاگ کر اندر چلی گئی۔

”معظم! یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو تم؟“
مقدم جاہ باہر نکلتے ہوئے من چکے تھے۔

”آئی ایم سوری۔ میں ٹینشن میں ہوں کوئی مجھ سے
بات نہ کرے ورنہ میرا دل اسی طرح خراب ہوتا
رہے گا۔“ اس نے باپ کو بھی ہاتھ اٹھا کے روک دیا
تھا۔ اتنے میں اس کے سیل فون پر رنگ ہونے لگی
تھی۔ پہلے تو نظر انداز کرتا رہا پھر جب رنگ مسلسل
بجتی رہی تو اسے کال پک کرنی ہی پڑی، نمبر کوئی اجنبی ہی
تھا۔

وہ سری طرف بھی کوئی مردانہ آواز ہی تھی۔
”آپ کون ہیں؟“ معظم نے نا سمجھی سے پوچھا۔
”تمہاری منگیت کا شوہر۔“ اس آوی نے انتہائی
سکون سے کہا تھا۔

”تم۔۔۔ تم حنان درانی ہو ناں؟“ معظم نے آواز
پچانے کی پوری کوشش کی تھی۔

”ایسے اب تم مجھے اپنا بہنوئی بھی کہہ سکتے ہو؟“ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، ہم دونوں نے شادی کر لی ہے، تمہیں فون اس لیے کیا ہے کہ تم مجھے معاف کر دو، تمہیں تو اور لڑکیاں بھی مل جائیں گی لیکن مجھے حنا جیسا نہیں ملے گا، تم نے آج تک مجھ سے جتنی محبت کی ہے، حنا اس سے ہزار گنا زیادہ محبت ان چند دنوں میں مجھ پر بھجوا کر چکا ہے، اتنی کہ میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور ہاں میری امی اور بابا سے سوری بولنا اور کہنا کہ ہمارا طریقہ غلط تھا، ہمیں معاف کر دیں، میرے لیے دعا کرنا اور معاف کر دینا اللہ حافظ۔“

”جسٹ شٹ اپ“ میں تمہاری کسی بکواس پہ کلن دھرنے والا نہیں ہوں، سیدھی طرح بتا دو کہ میرا دل ہے اور کیسی ہے وہ؟“ معظم کی باتوں سے مقدم جاہ بھی متوجہ ہو چکے تھے۔

”میری باتوں پہ کیوں کلن نہیں دھرو گے؟“ حنا درانی نے پھر کہا۔

”میں پوچھ رہا ہوں میرا دل ہے؟“ معظم نے دانت پیس کر کہا۔

”میرے پاس دل کے قریب، سینے سے لگا کے...“ اس نے سرشار لہجے میں کہا۔

”معظم مٹھیاں پیچھتے ہوئے اپنا غصہ ضبط کرنے لگا تھا۔ اس کے دلغ کی رگیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔“

”یہ لو خود بات کر لو، آرام سے اور تسلی سے بات کرنا بھول جاتا ہے پوچھو مجھے پروا ہے۔ ہی ڈر میں اپنی محبت پہ یقین ہے۔“ حنا درانی نے معظم کو تاکید کرتے ہوئے فون مرکو تھما دیا تھا۔

”مہر!“ معظم کی تماشہ بے قراریاں اور بے چینی آواز میں سٹ آئی تھیں۔

”آئی ایم سوری معظم!“ مہر نے شرمندہ سے انداز میں کہا۔

”مجھے اس طرح مت ڈکارو معظم! اب تمہارا مجھ پہ کوئی حق نہیں رہا۔“ مہر کی آواز ٹھہری ہوئی تھی۔

”مہرا یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟“

”ہاں معظم! کبھی نہ کبھی محبت جیت ہی جاتی ہے۔ یوں سمجھ لو حنا کی محبت بھی جیت گئی ہے اور میں۔“

میں ہار گئی ہوں۔ معظم میں اس کے سامنے ہار گئی ہوں، میں محبت کے سامنے ہار گئی ہوں۔ تمہیں پتہ نہیں ہے معظم! محبت میں ہار جانا کیسا ہوتا ہے؟ اور

اور جس کو بیوی بنا کر میں مہر کا نام بھی بھول جاؤں، کوئی مجھ سے مہریشان کا پوچھے اور میں کہوں کون مہر۔“

معظم کا لہجہ زخمی طرح جس رہا تھا لیکن سختی غصہ اور نفرت اس قدر تھی کہ مزید کچھ کہنا ہی فضول تھا۔

مقدم جاہ چپ ہو گئے۔

”فیجر صاحب اگر ہو سکے تو ان سارے آرڈرز میں ایک لڑکی کا آرڈر بھی لکھ لیں، آخر لڑکی نہیں ہوگی تو شادی کیسے ہوگی؟“ اس نے خود اپنا مذاق اڑایا تھا۔

مقدم جاہ نے فیجر کو جانے کا اشارہ کیا اور خود اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

”معظم! تم جانے ہو تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”جی! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں کہا کہہ رہا ہوں، میں مقررہ تاریخ پہ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ چاہے کچھ بھی ہو۔“

”اور لڑکی؟“

”یہ کام آپ اور امی مل کر کریں، میرا انتخاب تو نکلا، اب آپ قسمت آزمائی کریں کہ کیا رزلٹ نکلتا ہے؟“ وہ ان کو اجازت دے کر چلا گیا اور مقدم جاہ پر سوچ نظروں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

”نہیں! میں معظم سے شادی نہیں کروں گی۔“

مومو نے اس پر پوزل کو سنتے ہی انکار کر دیا تھا۔

”کیوں؟“

”کیونکہ معظم مہر کا ہے وہ مہر سے محبت کرنا ہے۔“

”کرنا تھا اب نہیں کرتا۔“

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اب نہیں کرتا؟“

”اس کے انداز اس کے تیور بتاتے ہیں۔“

”اور اس کے تیور یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ مجھ سے بھی محبت نہیں کرتا۔“ مومو نے زور دے کر کہا تھا۔

”کرے گا بیٹا! تم سے ہی محبت کرے گا۔“

”پھر بھی میرا دل نہیں مانتا۔ میں پرایا کہنا نہیں بہن سکتی۔“

مومو مسلسل انکاری تھی لیکن وہ مزملکہ اتفاق ہی

کیا جو اپنی بات نہ منوالیں۔ وہ مومو کو راضی کر کے ہی اٹھی تھیں اور انہوں نے خوشی خوشی مقدم جاہ تک مومو کی رضامندی پہنچادی تھی۔ وہ لوگ بھی سن کر بہت خوش ہوئے تھے لیکن جب معظم کو بتا چلا تو وہ کم کم ساہو کے رہ گیا تھا۔

”مومو سے شادی؟“ وہ ذریعہ لب بڑبڑایا تھا۔

”کیوں؟ مومو اچھی نہیں ہے؟“ مقدم جاہ اور نشاط بیگم بے کو دیکھ رہے تھے۔

”نہیں اچھی ہے بہت اچھی ہے مگر میں۔“

میں کیسے ایڈجسٹ کر پاؤں گا؟ وہ میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکے گی۔“

”لیکن تم تو اس کے ساتھ خوش رہو گے ناں؟“

”مگر کیا۔“

”بس بیٹا! اب اور میں ہم نے پہلے بھی ایک بار تم سے مومو کے لیے بات کی تھی لیکن اس وقت تم نے اپنی پسند کو ہماری پسند پہ ترجیح دی اور آج بھی وہی بات کر رہے ہیں شاید ازل سے تمہارا اور مومو کا ہی ساتھ لکھا گیا تھا مہر کا نصیب کوئی اور تھا۔“ انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”مہر کا نصیب۔!“ وہ چبا کے بولا۔ تو از دھیمی تھی اسے وہ نہ کر مر اور حنا درانی کی باتیں یاد آئی تھیں اور خون کھول اٹھا تھا۔

”بس بیٹا! بھول جاؤ اسے۔“

”بھول گیا ہوں بیٹا! بھول کر ہی یہ قدم اٹھا رہا ہوں لیکن میں یہ نہیں بھول سکتا کہ مہریشان زبان کی بچی تھی، جھوٹی تھی، ساتھ بھلنے کی قسمیں کھانے والی ساتھ بھلنے سے پہلے ہی ساتھ چھوڑ گئی میں اگر یہ بھی مان لوں کہ حنا درانی نے اسے اغوا کیا اور زبردستی نکاح کر لیا لیکن یہ کیسے مان لوں کہ جو کچھ اس نے اتنے آرام سے اتنے سکون سے کہا وہ بھی زبردستی تھا؟

وہ میری خاطر کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی تو مجھے فون کر کے سب کیوں بتایا؟ تاکہ میں اس کا انتظار نہ کروں، ہونہ نہیں کروں گا انتظار، بھول جاؤں گا۔“

سب بھول جاؤں گا۔ میں مومو سے ہی شادی کروں

کا آپ تیار کریں۔“
معتظم غصے اور نفرت سے کتابوں سے چلا گیا تھا۔
نشاط بیگم شوہر کو دیکھنے لگیں وہ سر تھام کے بیٹھے تھے۔

ہم بھی شکستہ دل ہیں، پریشان تم بھی ہو
اندھ سے ریزہ ریزہ، مری جان تم بھی ہو
مل جائیں ہم تو کیا سنا سفر کئے!
گھائل ہیں ہم بھی، سوختہ سالن تم بھی ہو
دلہن بنی موموں پر پوچھ لیے بیٹھی ایک لاشعوری
سے انتظار میں تھی۔ وہ معتظم جس کو وہ ایریاں رگڑ رگڑ
کر خدا سے مانگتی رہی لیکن وہ نہ ملا اور آج وہی معتظم
اسے بن مانگے مل گیا تھا۔ نہ ایریاں رگڑیں نہ دعا میں
مانگا، بس میرا سمجھ کے چھوڑ دیا، لیکن اب مہری اسے
چھوڑ گئی تھی تو وہ موموں کی جھولی میں آکر اٹھا۔ جس پر
مومو حیران بھی تھی، پریشان بھی تھی اور شکستہ دل بھی۔

وہ ملا بھی تو کس حال میں؟
یہ نہیں تھا کہ اسے معتظم سے محبت نہیں ہی تھی۔
بلکہ بات یہ تھی کہ اسے معتظم کی طلب نہیں رہی
تھی، وہ اسے پانے کی خواہش کا دامن چھوڑ چکی تھی۔
اور اب دیکھ لیتے تھے کہ معتظم جاوے کیا کچھ چھوڑا تھا؟
طلب، خواہش یا محبت؟ اور وہ اسی انتظار میں بیٹھی
تھی۔ گھڑی کی سوئیاں رات کا ایک بج رہی تھیں۔ وہ
گھٹے ہو گئے تھے اسے اس بیڈ روم میں آئے اور اس کا
انتظار کرتے ہوئے۔ لیکن وہ تھا کہ اپنے ہی بیڈ روم
کا رستہ بھول گیا تھا۔

اس کا دل بھی انہی پھولوں کی طرح سرخ تھا لیکن وہ
مہک دینے کے بجائے لودھنے لگا تھا۔ ہلکی ہلکی آنسو
رکھا دل تب رہا تھا سینے میں جلن اور تپش ہونے لگی
تھی انتظار کی گھڑی عذاب اور آنا کش کی گھڑی بدن گئی۔
سلگتا اور پھٹتا دل ڈھونڈتا جا رہا تھا۔

گھڑی کی سوئیاں تین تک پہنچ گئیں۔ رات قطرو

قطرو بہہ رہی تھی۔ صبح اور رات کے درمیان بس ایک
اذان کا فرق رہ گیا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے پتھر کی ہو گئی تھی۔
اذان ہوئی تو ہاتھ چلا اس کا انتظار لا حاصل تھا۔ وہ اب
بھی مہر سے ہی محبت کرتا ہے اور اس اور اک نے اسے
مزید سخت بنا دیا تھا وہ اپنا دل کسی بھاری پتھر کے نیچے دبا
کے لا تعلق ہو گئی۔

فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب اس نے اپنے بیڈ
روم میں جانے کا قصد کیا۔ اور لان کی سیڑھیوں سے
اٹھ کر اندر آ گیا تھا۔ سب ہی گہری نیند سو رہے تھے
اور اس سے پہلے کہ کوئی تراز کے لیے اٹھا وہ اپنے بیڈ
روم میں چلے جانا چاہتا تھا حالانکہ اس کا اپنے بیڈ روم
میں جانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا مگر بھی نہ بھی تو جانا
ہی تھا؟ وہ آہستگی سے بنا کوئی آہٹ پیدا کیے دروازہ
دھکیل کر اندر داخل ہوا کہ موموں کی نیند خراب نہ ہو
لیکن۔۔۔ بیڈ روم میں روشنیوں کی چکا چوند اور بیڈ کے
وسط میں بیٹھی مومو کو دیکھ کر وہ بری طرح چکر اٹھا تھا۔
اس کا تو خیال تھا کہ مومو نے تھوڑی دیر اس کا انتظار
کیا ہو گا اور سو گئی ہوگی لیکن وہ یوں ایک ہی پوزیشن
میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی ہوگی اسے اندازہ نہیں
تھا۔

”مومو۔۔۔“ وہ ذریعہ بے پروا دیا۔ اسے غصہ اور
پتھرتاؤ نے آگھیرا تھا اس کے قدموں میں خشکی اتر
آئی تھی۔ وہ بمشکل بیڈ تک پہنچا اور مومو کے قریب
ہی سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

”آئی ایم سوری مومو!“ معتظم کی آواز بھاری ہو
رہی تھی اور موموں کی آنکھیں سرخ۔

”میری لیلنگز ہی کچھ ایسی تھیں کہ میں تمہارے
سامنے آکر تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا میں چاہتا
ہوں کہ میرا اور تمہارا تعلق خود بخود بنے اس میں
زبردستی کا اور موت کا کوئی عمل دخل نہ ہو کیونکہ دل
سے دل کا رشتہ ہمیشہ خود بخود ہی بنتا ہے۔“

وہ سر جھکائے آہستگی سے کتاب موموں کی طرف گردن

دکڑ کر بیٹھ گیا۔
”کتنا یاد کر کے آئے ہو اسے؟“ اس پتھر کی آواز
بھی پتھر تھی۔ اس کے سوال پر معتظم نے سر اٹھا کر
سے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
”ایک رات تو کم ہوگی اس کی یاد کے لیے؟ آئندہ
تنہی راتیں لو گے؟“ مومو کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی
تینکا اور تلخ ہو گیا تھا۔ شاید رقابت کا زہر رگوں میں
چیلنے لگا تھا۔ اور معتظم کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔
”میں اسے یاد نہیں کر رہا تھا۔“ اس کی آواز بھرائی
ہوئی تھی۔

”لیکن میں اسے ہی یاد کر رہی تھی۔“
”مومو پلیز بس کرو میں پہلے ہی بہت ہارا ہوا ہوں
مجھے اور مت مارو میرے زخم ابھی بھرے نہیں پلیز
میرے زخموں کو بھرنے دو۔“ معتظم بے اختیار ہو کر
موموں کی گود میں چرا چھپا کر رو پڑا تھا۔ اور مومو ساکت
بیٹھی دیکھتی رہ گئی۔

اسے اور اک ہو چکا تھا کہ وہ مہر کا ہے اور اس کا ہی
رہے گا۔

”معتظم۔۔۔“ اس نے معتظم کے بالوں میں انگلیاں
پھنساتے ہوئے آہستگی سے پکارا۔ ”پلیز بس کرو میں
تمہاری لیلنگز سمجھ چکی ہوں، تمہیں میری طرف
سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“
وہ اس کے بالوں کو سلاتی اسے تسلیاں دے رہی
تھی اور اس کی انہی تسلیوں کے باعث چند کھوں بحد وہ
نیند کی وادی میں اتر گیا تھا۔ اس کے آنسو موموں کی گود
میں جذب ہو گئے وہ اس کا سر تکیے پر رکھ کے خود بیڈ
سے اٹھ گئی تھی۔

بیڈ روم میں کھڑکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں
اور انہی آوازوں کی وجہ سے اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس
نے تکیے سے سر اٹھا کر دیکھا مومو ڈرنگ ٹیبل کے
سامنے بیٹھی تھی اور بے وجہ ہی ریفونز کو اٹھا اٹھا کر
چیک کر رہی تھی۔ پھر ہیرش اٹھا کر اپنے بالوں میں

پھیرنے لگی اور چند سیکنڈ کے بعد ہیرش بھی ڈرنگ
ٹیبل سے ڈال دیا تھا۔
معتظم اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا اسے گزشتہ
رات اور فجر کے وقت ہونے والی بات چیت یاد آگئی اور
ساتھ میں شرمندگی کا احساس بھی۔

آخر اس سارے قصے میں مومو کا کیا قصور تھا؟
معتظم نے دل سے پوچھا تو قصور اپنا ہی نکلا۔ سر جھٹکتے
ہوئے بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔

”تم نے ہاشتا نہیں کیا ابھی؟“ وہ اس کے پیچھے آ
کھڑا ہوا۔

”دلہن ہوں، بیڈ روم میں بیٹھ کر فارملٹی بھاری
ہوں، باہر جا کر ہاشتا کیسے کرتی؟“ اس نے کندھے اچکا
کر کہا۔

”میں شاور لے لوں، پھر اکٹھے ہاشتا کرتے ہیں۔“
وہ پلٹ کر واش روم میں چلا گیا اور دس منٹ بعد شاور
لے کر واپس بھی آ گیا۔ سب لوگ ان کی آمد کا انتظار کر
رہے تھے۔

حالانکہ پہلے بھی وہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کئی
بار ہاشتا کر چکی تھی کئی بار کھانا کھا چکی تھی تب اپنائیت
کا احساس ہوتا تھا اپنا پن لگتا تھا لیکن آج اتنا مضبوط
رشتہ ہونے کے باوجود بھی اجنبیت کا احساس ہو رہا
تھا۔ اپنا آب مس فٹ لگ رہا تھا۔

”میرا اٹھا لوگی یا سلاکس؟“ نشاط بیگم ہاشتا سرو کرتے
ہوئے بولیں۔

”چائے۔“ اس نے مختصر کہا۔
”ارے نہیں بیٹا! صرف چائے کیوں؟ یہ پراٹھا اور
آبلٹ لے لو یا پھر سلاکس اور جوس لے لو۔“ وہ
ساری چیزیں اس کے سامنے اٹھا اٹھا کر رکھ رہی
تھیں۔

”نہیں بھوک نہیں ہے۔“ اس نے انکار کر دیا۔
”تو پھر چائے کے ساتھ یہ بوائے آبلٹ لے لو“
رات سے کچھ نہیں کھایا تمہنے۔“

وہ اصرار کر رہی تھیں سو مجبوراً ”مومو نے جیم اور
سلاکس لیے اور چائے پی کر کھڑی ہو گئی تھی۔ معتظم

نے بھی صرف چائے ہی لی تھی اور ان کے ناشتے سے ہی ان کے پیٹ پر چل گیا تھا۔ نشاط بیگم مقدم جلاہ کو دیکھتی رہ گئیں وہ نظر چراگئے تھے۔

شام کو لیمہ میں میرا بیگم ڈشٹان احمد اور حمزہ بھی آئے ہوئے تھے میرا بیگم مومو کو دیکھ کر دل سے دعا کی دے رہی تھیں اور بے لی پنک ٹر کے انتہائی قیمتی اور گایا لہنگے میں دلہن بنی تھی سنوری مومو گڑیا لگ رہی تھی اور اپنے قریب بیٹھی میرا بیگم کو دیکھ رہی تھی یہ کتنی سادگی، کتنی محبت اور چاہے دعا میں دے رہی تھیں حالانکہ جس جگہ مومو بیٹھی تھی وہ جگہ ان کی بیٹی مہر کی تھی۔

”آپ مہر کو مس کر رہی ہیں نا؟“ مومو نے لن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہ بیٹا! یہ وقت اسے مس کرنے کا نہیں ہے! تمہاری خوشیوں میں خوش ہونے کا ہے! اللہ تمہیں سدا سہاگن رکھے اور اللہ تمہاری جوڑی سلامت رکھے۔ ہمیشہ خوش رہو۔“ انہوں نے مومو کی پیشانی چوم لی۔

”کیا ہوا ہے بھی؟ اتنی محبتیں کیوں بچھاؤ رہی ہیں؟“ مسز ملکہ اسٹیج پر آتے ہوئے پولیس ان کی نظریں کب سے مومو اور میرا بیگم پر ہی تھیں۔

”اپنی بیٹی کو بیاہ کر کے لیے بھی کسی وجہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے؟“ میرا بیگم نے ملکہ کو دیکھا۔

”بیٹی کو بیاہ؟“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ ملکہ آفاق مسکرائیں۔

”تمہیں یاد ہے ملکہ! جب مومو پیدا ہوئی تھی تو اس کا نام رکھنے میں کتنا مسئلہ ہوا تھا؟ آفاق بھائی کی ضد تھی کہ وہ بیٹی کا نام عین سے رکھیں گے اور تمہاری ضد تھی کہ تم بیٹی کا نام میم سے رکھو گی کیونکہ ہم تینوں بہن بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے پہلے پہلے بچوں کا نام ”میم“

سے ہی رکھیں گے جیسے میرا ملکہ اور مقدم ویسے ہی ”مہر“ مومو اور معظم۔“

میرا بیگم وہ وقت یاد کر کے مسکرائی تھیں لیکن مسز ملکہ آفاق کے لب بھینچ گئے تھے وہ گزرا وقت یاد کرتیں تو بہت کچھ یاد آتا تھا۔

”مہر کا پھر کوئی فون آیا؟“ انہوں نے بات بدلنے ہوئے پوچھا۔

”ہو نہ! اب بد نصیب نے کیوں فون کرنا ہے؟ جو ہو گیا سو ہو گیا وہ ہمارے لیے مر گئی، ہم اس کے لیے مر گئے۔“

”پلیز خالہ! ایسا مت کہیں! دعا کریں وہ جہاں بھی رہے خوش رہے۔“ مومو نے بے ساختہ کہتے ہوئے انہیں ٹوک دیا تھا۔ مہر بے شک معظم اور اس کے بیچ ایک دیوار تھی لیکن مومو نے کبھی بھی اس دیوار کو گرانے کا نہیں سوچا تھا۔ مہر سے اسے ایسی ہی محبت تھی جیسی کسی بہن سے۔

”آمین۔!“ میرا بیگم کہتی ہوئی اٹھ اٹھیں۔ آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے تھے۔

”یہ کیا تم منہ لٹا کے بیٹھی ہوئی ہو؟ کوئی خوشی نظر نہیں آرہی؟“ ملکہ آفاق بیٹی کے پاس پیسہ کر اسے دبے لفظوں میں ڈانٹنے لگی تھیں۔

”تو اور کیا کروں مام؟“

”خوش رہو! تمہاری خوشی تمہارے چہرے سے نظر آنی چاہیے! میں تمہاری چپ اور لواں صورت نہیں دیکھ سکتی۔ سب تمہاری خوشی کے لیے کیا ہے۔“ وہ اسے جھڑک رہی تھیں اور مومو چپ چاپ سٹی رہی۔

”ملکہ آئی آپ کے کچھ جاننے والے آپ کو یاد کر رہے ہیں۔“ معظم نے قریب آتے ہوئے اطلاع دی اور وہ چونک کر اٹھ گئیں۔

”تم اس کے شوہر کو اب اسے کہو کہ خوش رہے۔“

وہ جاتے جاتے معظم کو حنا گئیں اور معظم ٹھنک کر مومو کی طرف متوجہ ہو گئیں مومو نے رات کا قصہ تو

نہیں بتا دیا انہیں؟ لیکن مومو کا چہرہ اتنا سیاہ تھا کہ وہ کوئی بھی نتیجہ اخذ نہ کر سکا البتہ واپسی پر وہ ذکر کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”تم نے ملکہ آئی سے کچھ کہا ہے؟“ وہ ڈرائیونگ کے دوران پوچھ رہا تھا گاڑی کے اندر مکمل خاموشی تھی اور اس خاموشی کا تسلسل اس نے خود توڑا تھا۔

”کچھ مطلب؟“ مومو کی نظریں سامنے دبڑا کر رہیں۔ لیکن انداز وہی سرد سیاہ سا۔

”مطلب کہ رات کے بارے میں کچھ کہا ہو تم نے؟“

”رات میں ایسا کیا تھا جو میں ان کو بتاتی؟“ مومو کا انداز عجیب تھا۔

”تھینک یو مومو! مجھے چند دن سنبھلنے کے لیے اسی طرح تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے۔“ معظم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیا تھا اور مومو سیٹ کی بیک سے پشت نکاتے ہوئے پلکیں موند گئی۔

معظم اسے اپنے ساتھ لیے بیڈ روم میں آگیا رات کے ایک بجے کا نام ہو رہا تھا مومو ڈرائیونگ ٹیبل کے سامنے آرکی اور اپنا سانسورار روپ دیکھا۔

”نچ پھر بھائی آپ کو دیکھ کر چادوں شانے چت کر رہے تھے۔“ اسیہ نے اسے بار لڑ میں تیار ہوتے دیکھ کر معظم کے حوالے سے چیخا تھا۔ مومو چپ ہو گئی تھی وہ اسے کیا بتاتی کہ ہاں تمہارا بھائی واقعی چادوں شانے چت کر چکا ہے اور اب اٹھنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ لیکن اس وقت اپنا آپ دیکھ کر اسیہ کی بات یاد آئی تو اسے آپ پر ہنسی آئی تھی۔ کیا وہ بھی کوئی لڑکی تھی جس کو اس کے شوہر نے نظر بھر کے دیکھا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اک نگاہ غلط بھی نہ ڈالی تھی۔ اس کو دیکھ کر ایک بار بھی اس کے قدم ٹھٹکے نہیں تھے وہ اسے دیکھ کر مبہوت نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر کوئی خوشی جاگ تھی۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“ معظم وارڈ روپ سے کپڑے نکال کر پٹا تو اسے یک ٹک آئینے کے سامنے کھڑے دیکھ کر ٹھہر گیا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے چونک کر نفی میں گردن ہلائی۔

”لیکن نظر تو بہت کچھ آرہا ہے۔“ معظم کی نظریں بھی آئینے میں نظر آتے اس کے عکس پر تھیں۔

”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ بہت کچھ نظر آرہا ہے؟“ مومو کا انداز تسخیرانہ سا تھا۔

”جس نظر سے میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتیں۔“ معظم نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف نظر ڈالا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے چونک کر نفی میں گردن ہلائی۔

”لیکن نظر تو بہت کچھ آرہا ہے۔“ معظم کی نظریں بھی آئینے میں نظر آتے اس کے عکس پر تھیں۔

”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ بہت کچھ نظر آرہا ہے؟“ مومو کا انداز تسخیرانہ سا تھا۔

”جس نظر سے میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتیں۔“ معظم نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا رخ اپنی سمت موڑ لیا تھا اور اس کی نظر میں نجائے ایسا کیا تھا کہ مومو نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکی۔

”تم کل کی طرح آج بھی بہت خوب صورت لگ رہی ہو! ویری ویری بیوٹی فل۔“ معظم نے شوہرانہ مزاج اور موڈ میں کہا تھا۔ مومو نے چونک کر دیکھا اور معظم نے جھک کر اس کی خوب صورتی کو اک انمول سا خراج پیش کیا تھا اور مومو کے وجود میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کے گرم لورے ہوئے نونوں کا لمس اس کی گردن پر ثبت ہو کے رہ گیا تھا اور وہ مومو کے رخسار تھپک تھپکے پیچھے ہٹ گیا۔

”رات بہت ہو گئی ہے چینیج کر کے سو جاؤ۔“ وہ اسے کہہ کر خود چینیج کرنے چلا گیا تھا لیکن مومو اس کے ایسے لمس سے ہی نیم جان ہو گئی تھی بل تھا کہ بچو توڑ دینے کے در پے تھا۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالتی بمشکل چینیج کر کے بیڈ تک آئی تھی لیکن اتنے میں معظم اوندھے منہ لیٹا سوچکا تھا۔ اس کے برابر بیڈ پر لیٹنے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ کل کی رات تو تھا گزر گئی تھی لیکن آج۔! بڑی ہمت کر کے وہ سٹ کے اس کے برابر بیٹھی تھی اور اس کا ہاتھ اپنی گردن کو چھو رہا تھا۔

”ہنی مون! جاؤ گے تم لوگ؟“ مسز ملکہ آفاق نے ان دونوں سے ہنس کر اٹھ کر پوچھا۔ آج وہ دونوں ان کی طرف آئے ہوئے تھے۔

”ابھی تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ معظم نے اک

”ہنی مون! جاؤ گے تم لوگ؟“ مسز ملکہ آفاق نے ان دونوں سے ہنس کر اٹھ کر پوچھا۔ آج وہ دونوں ان کی طرف آئے ہوئے تھے۔

”ابھی تو کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ معظم نے اک

نظر مومو کو دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔
 ”کوئی بات نہیں ارادہ بنتے کون سا دیر لگتی ہے۔
 یہاں بیٹھے بیٹھے ہی ارادہ بنا لو اور اس کے لیے میری
 طرف سے آپ کے لیے گفت بھی ہو گا۔“
 ”گفت؟“ مومو نے حیرانی سے پوچھا۔
 ”ہاں تم لوگوں کا اپنی مومن میری طرف سے ہو گا۔
 چاہے تم لوگ سوئزر لینڈ جاؤ چاہے مال دیپ میں
 ٹیکس کنفرم کروا لیتے ہو تم لوگ تیاری کر لو۔“
 انہوں نے لا پرواہی سے کہا۔
 ”نہیں مام! میرا کہیں جانے کا بھی موڈ نہیں ہے۔
 آپ بروگرام ہیں کینسل کر دیں۔“ اس سے پہلے
 کہ معتمد انکار کرنا مومو نے خود منع کر دیا تھا۔
 ”کیوں موڈ کیوں نہیں ہے؟ معتمد کا موڈ تو ہو گا
 جانے کے لیے؟“ انہوں نے معتمد کی طرف رخ موڑا۔
 ”اگر مومو کا موڈ نہیں ہے تو میرا بھی موڈ نہیں ہے۔
 یہ پروگرام پھر کبھی پتہ اٹھا رکھتے ہیں۔ اپنی دے آئی!
 آپ سے پھر ملاقات ہوگی میں پیلا کے پاس ذرا آفس
 تک جا رہا ہوں، میری امانت آپ کے حوالے۔“ وہ
 اسے دیکھ کر چلا گیا اور مومو مزید چپ ہو کے بیٹھ گئی۔
 ”کیا بات ہے مومو؟ میں تمہارے چہرے پر جو
 خوشی دیکھتا چاہتی ہوں مجھے دل ہی نہیں رہی؟“ ملکہ
 آفاق اس کے قریب آکر بیٹھ گئیں۔
 ”مام! میں خوش تو ہوں؟“
 ”کیا اپنی ٹولی دیکھیں اس طرح خوش ہوتی ہیں؟ ان
 کی تو شراہٹ اور گھبراہٹ ہی ختم نہیں ہوئی ان کے
 چہرے پر تو گلابیاں بکھری رہتی ہیں۔“ ان کا دل پریشان
 ہو رہا تھا۔
 ”کیا معتمد کی طرف سے کوئی پرائیم ہے؟“
 ”نہیں مام! کوئی پرائیم نہیں ہے وہ بہت اچھا ہے۔
 ایک سمجھ دار اور ذمہ دار شوہر ہے، بہت کیئرنگ
 ہے۔“ اس نے سچائی سے کہا۔
 ”ایک ہفتہ ہو گیا ہے تمہاری شادی کو لیکن۔“
 وہ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔

”ڈونٹ وری ہام اسب ٹھیک ہے۔ بس آپ کا وہم
 ہے میں کچھ دیر کے لیے اپنے بیڈ روم میں جا رہی ہوں
 معتمد آجائے تو بتا دیجیے گا۔“
 وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ملکہ آفاق وہیں بیٹھی
 اسے میڈیاں چڑھتے ہوئے دیکھتی رہیں۔
 * * *
 وہ کتنی دیر سے سونے کی کوشش کر رہی تھی لیکن
 سردی کی وجہ سے نیند نہیں آ رہی تھی بیڈ کی دوسری
 سائیڈ پر لیٹا معتمد اس کی بے چینی محسوس کر چکا تھا۔
 ”کیا بات ہے تمہیں نیند نہیں آ رہی؟“ اس نے
 مومو کی طرف کھٹکھٹا کر پوچھا۔
 ”سرسر درد ہو رہا ہے۔“ معتمد نے کہنی کے بل اونچا
 ”ٹیبلٹ لے لو۔“ معتمد نے کہنی کے بل اونچا
 ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔
 ”ٹیبلٹ نہیں ہیں۔“ وہ اپنی پکیوں کو مسل رہی
 تھی۔
 ”لاؤ میں سر دبا دیتا ہوں۔“ معتمد نے اس کے سر
 کی سمت ہاتھ بڑھایا۔
 ”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ مومو ذرا
 پیچھے ہٹ گئی تھی۔
 ”کیوں؟“ اس نے حیرت سے دیکھا۔
 ”ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”بغیر کسی علاج کے؟“ اس نے مومو کو کلائی سے
 پکڑ کر اپنی سمت کھینچا۔ اور مومو کی جان کھینچ گئی۔
 ”وہ۔۔۔ ٹیبلٹ تو ہیں لیکن لائے والا کوئی نہیں
 ہے۔“
 ”کہاں ہیں ٹیبلٹ؟“ معتمد اس کی کمر میں بازو
 حائل کرتے ہوئے بولا اس کا لہجہ بدل رہا تھا اور مومو
 کی دھڑکنیں سمجھ رہی تھیں۔
 ”وہ۔۔۔ میرے۔۔۔ میرے بیڈ روم میں۔۔۔ اس
 نے بے ربط سے انداز میں کہا۔
 ”تمہارے گھر میں؟“
 ”ہوں۔“

”لے آؤں؟“ وہ اجازت لے رہا تھا۔
 ”پھر ٹھیک ہو جاؤ گی؟“ وہ سختی خیزی سے بولا۔
 ”کیا پتہ؟“
 ”پتا ہونا چاہیے میں میں رات کے اس وقت اتنی
 مشکل سے تمہارے گھر ٹیبلٹ لینے جاؤں اور تم پھر
 بھی ٹھیک نہ ہو میں تو مجھے کیا فائدہ ہو گا؟“ وہ اسے بغور
 دیکھ رہا تھا۔
 مومو نظر چار رہی تھی۔ وہ اک گستاخی کا رنگاب
 کرنا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔
 ”کہاں رکھی ہیں؟“ وہ سلپر پہن کر دروازے کی
 سمت بڑھتے ہوئے پھر گیا۔
 ”بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ہوں گی یا پھر الماری
 میں؟ جہاں میرے کپڑے رکھے ہوئے ہیں۔“ اس نے
 جگہ بتائی اور معتمد باہر نکل آیا باقی سب بھی سو رہے
 تھے وہ آہستگی سے چلا باہر آ گیا۔ چونکیدار اسے دیکھ
 کر کھڑا ہو گیا۔
 ”صاحب خیریت؟“
 ”ہوں خیریت ہی ہے ملکہ آئی کے گھر تک جا رہا
 ہوں تم گیٹ بند نہیں کرنا۔ میں بس آ رہا ہوں۔“
 منٹ میں۔
 اس نے ہدایت کی اور ملکہ آفاق کے گھر آ گیا۔ ان
 کے چونکیدار نے بھی معتمد سے یہی سوال کیا تھا وہ اسے
 بھی تسلی دے کر اندر مومو کے بیڈ روم میں آ گیا۔ اس
 نے دونوں سائیڈ ٹیبل دیکھ لیے لیکن ٹیبلٹ کہیں
 نہیں تھے بالآخر اس نے الماری کا رخ کیا اور ذرا سی ویر
 میں اسے ٹیبلٹ تو مل گئیں لیکن ساتھ میں اور بھی
 بہت کچھ ملا تھا۔ سامنے ایک چھوٹا سا ٹیڈی بیئر رکھا تھا
 آف وائٹ گلر کے ٹیڈی ہیر نے سرخ رنگ کا دل
 ہاتھوں میں تھام رکھا تھا اور اس دل پہ ”ڈبل ایم“ لکھا
 ہوا تھا، معتمد نے ڈبل ایم کو حیرت سے دیکھا اور پھر کئی
 چیزیں دیکھنا چلا گیا۔
 ”آئی لو یو معتمد!“ ایک نوٹ بک پہ جلی حروف
 لکھا ہوا تھا۔
 ”آئی مس یو معتمد!“

”مومو صرف تمہاری ہے۔“
 ”کب آؤ گے؟“ اس کی ہر ڈائری ہر نوٹ بک اور
 ہر کتاب پر معتمد کا نام لکھا ہوا تھا اور اس لکھنے میں ایسی
 دیوانگی اور ایسی شدت تھی کہ معتمد ششدر سا بچہ
 پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا۔ یہ سب اس وقت کی
 تحریریں تھیں جب وہ انگلینڈ میں تھا۔
 ”کون چاہے گا تمہیں میری طرح؟“ یہ عبارت
 ایک ڈائری کے ٹائٹل پہ لکھی تھی۔
 ”مومو کس سے محبت کرتی ہے یہ جاننے کی میں
 نے آج تک کوشش ہی نہ کی؟ میں یہ بھی بھول گیا کہ
 اکثر رقص گھوڑوں سے اس کی آنکھیں گلابی کیوں رہتی
 ہیں؟ وجہ کون ہے؟ مخور کون ہے؟ کیا میری عقل پہ
 پردہ پڑ گیا تھا؟ وہ بھی میرے برابر چلی اور مجھے پتہ ہی نہ
 چلا؟“
 معتمد کے توجہ سے کانٹو بدن میں لو نہیں والا معاملہ
 تھا۔ وہ تینوں ایک ہی ٹکون میں چکراتے رہے اور
 اک دوسرے سے پوچھتے رہے سب کو اپنے ہی غم
 نے جالت ڈالا تھا کوئی کسی دوسرے کے درد کو سمجھ ہی
 نہ سکا!
 وہ اس انکشاف پہ منہ بھل ہی نہ پا رہا تھا۔
 * * *
 ”کیا بات ہے بٹا! تم ٹھیک تو ہو؟“ آفس میں مقدم
 جاہ اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر ٹھنک گئے تھے۔
 ”جی ٹھیک ہوں، آپ یہ فالٹز چیک کر لیں، منیجر
 صاحب آپ کا ہی انتظار کر رہے تھے۔“ اس نے ٹیبل
 پر رکھی فالٹز کی سمت اشارہ کیا اور وہاں سے نکل کر
 اپنے کیبن میں آ گیا۔
 ”تم آج گھر چلے جاؤ۔“ تھوڑی دیر بعد مقدم جاہ
 اس کے پیچھے ہی اس کے روم میں آ گئے۔
 ”تھوڑی دیر تک چلا جاؤں گا بس یہ ضروری کام
 ختم کروں۔“ وہ انہیں تسلی دے رہا تھا اور مجبوراً مقدم
 جاہ کو واپس جانا پڑا اور معتمد بورڈن یونی کام میں لگا رہا۔
 واپسی پہ شام کے سات بج گئے تھے۔ واپس گھر آیا تو

www.paksociety.com

میں اشارہ کیا۔ وہ بیڈ سے ٹیک لگائے نیم دراز بیٹھا تھا۔

”میں نہیں ٹھیک ہوں۔“
”اوھر آؤ یا ر! اپنی خوبیوں سے مجھے بھی کچھ فیض یاب ہونے دو۔“ اس نے اصرار کیا۔

”میری خوبیاں؟“ اسے حیرانی ہوئی۔

”اوھر آؤ گی تو ہاتھوں گاٹیں؟“ وہ جھنجھلا کے بولا اور مومو مجبوراً ”بیڈ پر اس کے پہلو میں آ بیٹھی۔“

”یہاں دل پہ ہاتھ رکھو اور اس دل کو اپنا پابند کر لو“ اپنا قیدی بنالو، نادان سے اشاروں کی باتیں اور دلوں کی باتیں نہیں سمجھتا، اگر سمجھتا تو تمہیں یوں نظر انداز نہ کرتا۔“

اس نے مومو کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا تھا لیکن مومو کو تو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا اس کے ہاتھ اور جسم آگ کی طرح تپ رہے تھے۔

”آپ کو بخار ہے؟“

”نہیں یا ر! یہ میرے اندر کی جلن ہے۔“

”آپ ٹھیک نہیں ہیں معظّم!“

”میں ٹھیک ہو چکا ہوں مومو!“ اس نے مومو کا ہاتھ لیوں پر رکھ لیا۔

”آج کے بعد معظّم جاہ کی ذات تمہارے نام ’آج کے بعد میرے دل سے ہر کا خیال بھی نہیں گزرے گا اگر ایسا ہوا تو سمجھ لینا تمہاری محبتوں میں کوئی کمی رہ گئی تھی اور میں تمہارے معاملے میں کبھی کوتاہی نہیں کروں گا نہ چاہتوں میں نہ راحتوں میں۔“ معظّم نے اسے یقین دلایا۔

”یعنی محبت کا محبت سے مقابلہ کر رہے ہو؟“ مومو نے چونک کر دیکھا۔

”شاید۔“

”ہار جیت کا پتہ کیسے چلے گا؟“

”اگر تمہارا ہاتھ ہمیشہ اسی طرح میرے ہاتھ میں رہا تو جیت تمہاری اور اگر چھوٹ گیا تو سمجھ لینا کہ ہر میرے دل سے نہیں نکل سکی وہ جیت گئی۔“ اس نے کہتے ہوئے مومو کا ہاتھ چوم لیا۔

”چلو یہ بازی بھی منگور ہے۔“ مومو نے مان لیا۔

پہلا سامنا مومو سے ہی ہوا تھا۔

”السلام علیکم۔“ مومو نے بے ساختہ سلام کیا۔

وہ سر ہلا کر اندر چلا گیا تھا اور مومو اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔ اسے اس کے موڈ پر حیرت ہوئی تھی۔

پھر وہ کھانے کے وقت بھی بیڈ روم سے باہر نہ آیا۔ تو نشاط بیگم نے مومو کو بلانے کے لیے بھیجا لیکن وہ سو رہا تھا، ساری رات اس نے آنکھوں میں گزاری ہوئی تھی۔ مومو تو اس کا انتظار کرتے کرتے سو گئی تھی لیکن وہ نہیں سویا تھا شاید اسی لیے طبیعت میں بو جھل پن محسوس ہو رہا تھا اور بیڈ پر لیٹتے ہی سو گیا تھا۔ مومو اسے دیکھ کر واپس پلٹ آئی۔

”وہ سو رہا ہے۔“ اس نے آہستگی سے بتلایا اور کرسی تھکیٹ کر بیٹھ گئی۔

”ہاں وہ آفس میں بھی کچھ تھکا تھا کسا لگ رہا تھا“ شاید اس کی نیند پوری نہیں ہوئی۔ ”مقدم جاہ نے سر ہلایا۔“

”پھر وہ بھی ٹھیک سے کھانا نہیں کھا سکی تھی اور چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر بہت جلد بیڈ روم میں آ گئی تھی۔“ مگر اتنے میں وہ بیدار ہو چکا تھا۔

”آپ اٹھ گئے؟“ مومو کو تسلی ہوئی کہ وہ ٹھیک ہے۔

”کیوں خیریت؟“

”میں کھانے کے لیے آپ کو بلانے آئی تھی مگر آپ سو رہے تھے۔“

”میں اس وقت بھی جاگ رہا تھا۔“

”اچھا! تو پھر آپ انھے کیوں نہیں؟“

”میں دیکھنا چاہتا تھا کہ تم مجھے جگاتی ہو یا نہیں؟ لیکن یا ر تم تو اتنی صابر ہو کہ راستے سے ہی پلٹ جاتی ہو“ نیند سے جگانے کی کوشش ہی نہیں کرتیں چاہے بندہ ہمیشہ کی نیند سو جائے۔ ”معظّم عجیب سے کبجے میں بول رہا تھا۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“ مومو کے دل کو کچھ ہوا۔

”اوھر آؤ میرے پاس بیٹھو۔“ معظّم نے اپنے پہلو

”لیکن مومو! آج سوچ لیتا کہ میں تمہارا بہن کے رہنا چاہتا ہوں۔“ معظم نے کہتے ہوئے اسے ہانپوں میں بچھینچ لیا تھا۔

”آئی لو پو معظم۔ آئی لو پو سوچ۔“ وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے رو پڑی تھی اور معظم کے ہاتھ جس پر اس کے آنسوؤں کی لہریں گرنے لگی تھیں۔ اس کے اندر کی پیش کش ہو رہی تھی۔

مومو نے اپنا آپ تمام تر رضا مندی اور اظہار محبت اسے سونپ دیا تھا اور معظم نے اسے سچے صاف دل سے قبول کیا تھا۔

وصال یار کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست! تیرے جمال کی ”دشمنی“ کھڑی آئی وہ ڈرننگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کے اپنے ہاتھوں پہ نیل پالش لگا رہی تھی جب وہ ہلکے سے شعر گنگنا رہا تھا۔

”اچھی لگ رہی ہو۔“ اس نے اور ہی معنی میں تعریف کی تھی۔ اس کا جو چھک گیا تھا۔ ”جی سنوری ہو ہی بہت اٹریکٹ کرنی ہے اسی طرح رہا کرو۔“ وہ اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ نیل پالش خشک کرنے کے لیے ہاتھوں پہ پھونک رہی تھی۔

”لاؤ میں خشک کرتا ہوں۔“ معظم اس کے ہاتھ تھام کے خود پھونک رہا تھا۔

”دیکھ لو اتنی محنت کر رہا ہوں! انعام تو ملنا چاہیے نا؟“ اس نے مومو کو جن نظروں سے دیکھا وہ بدگئی۔

”پلیز، پلیز، معظم! میری نیل پالش گیلی ہے۔“ وہ چیختی۔

”کروں گا ٹھیک، بلکہ نئی لگا لیتا۔“ اس کے تیور خطرناک تھے۔

”ایک بات کہوں آپ سے؟“ مومو نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہوں! کہو کیا بات ہے؟“ وہ ٹھنک کر رک گیا تھا اور جیسے ہی اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی مومو پھر سے اڑ

گئی تھی۔

”معمظم! ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ کھلکھلاتی ہوئی یکدم باہر نکل گئی تھی۔ معظم اس کی چالاک پھنسا اس کے پیچھے لپکا۔

”اے بھئی سنبھل کے۔“ مومو نشاط بیگم سے جا کھرائی تھی۔

”سوری آئی! وہ معظم۔“ اس نے پیچھے نہ کھکا معظم ہل کو دیکھ کر ٹھہر گیا تھا۔

”باشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ ریڈ کلر کے ڈریس میں وہ واقعی سچ رہی تھی۔

”تھینک یو۔“ مومو کی شرم کے مارے نظر جھک گئی تھی۔

”کیس جا رہے ہو تم لوگ؟“ انہوں نے تیاری دیکھ کر پوچھا۔

”جی توج بڑی مدت بعد شاپنگ کا موڈ ہوا ہے، میں نے کبھی مومو کو اپنی جیب سے شاپنگ نہیں کر دلی۔“

”اچھی بات ہے بیٹا! ضرور جاؤ، خوش رہو۔“ انہوں نے دل ہی دل میں نظرا تارتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں گاڑی لے کر نکل آئے تھے۔ آج سب کچھ معظم کی مرضی کے مطابق تھا۔!

معمظم اور وہ سب کے درمیان بیٹھے تھے۔ انہوں نے انہیں بلایا تھا۔

”بیٹا! ہماری شروع سے خواہش تھی کہ پہلے بیٹے کی شادی ہو جائے اور سو کو گھر لے آئیں پھر بیٹیوں کی باری آئے گی۔“

”جی کیسے کیا بات ہے؟“ معظم کافی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

”وہ دراصل کل شیرازی صاحب کی سزا رہیہ کے لیے ہمارے گھر آنا چاہتی ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ان کی کال آئی تھی میں نے سوچا پہلے تم دونوں سے مشورہ کر لیا جائے پھر ہی بھروسہ کرے گا۔“ معظم جاہ نے ان دونوں کو دیکھا۔

”ابھی باہی بھرنے کی کیا ضرورت ہے ابھی آپ ان کی پوری فیملی کو انوائٹ کریں پھر دیکھتے ہیں کہ کیا ہونا ہے؟“

”کیا مطلب بیٹا؟“

”میرا مطلب ہے کہ کل ہم لوگ آپس میں ملیں گے تو بہت سی چیزوں کا پتہ چلے گا۔ آپ لڑکے کو بھی انوائٹ کریں۔ صرف شیرازی صاحب کی سزا کے آجانے سے تو کام نہیں بنے گا ناں؟“ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔

مقدم جاہ کو اس کی بات پسند آئی تھی۔ انہوں نے فون کر کے ساری فیملی کو انوائٹ کر لیا تھا۔

”میں جاؤں اب؟“ مومو کھڑی ہو گئی۔

”ہوں جاؤ، تمہارے پیٹ میں اب کیا چوہے دوڑ رہے ہیں؟ ہم جانتے ہیں۔“ مقدم جاہ کو پتہ تھا کہ وہ اریبہ اور امانہ وغیرہ کو گڈ گڈوز دینا چاہتی ہے اور معظم مسکرا دیا تھا۔

شیرازی صاحب کی فیملی اور لڑکاسب ہی کو پسند آیا تھا اور اریبہ کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو اریبہ پسند آئی تھی یوں دونوں گھروں میں بڑے زور و شور سے شادیوں کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ مقدم جاہ نے ملکہ آفاق اور میراں بیگم کو بھی ساری بات بتا کر مشورہ مانگا تھا وہ دونوں بہنیں بھی سنجیدگی کے نیک نصیب بہت خوش ہوئی تھیں۔ دو ماہ گزرنے کا پتا ہی نہ چلا اور شادی کے دن قریب آ گئے!

وہ مندی کی جی سوائی پلٹوں میں موم جتیاں لگا رہی تھی اور مندی کی خوشبو سے اس کا دماغ عجیب ہو چھل سا ہو رہا تھا بالآخر وہ نہ سکی تو ہاتھ روم کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ معظم اندر کمرے میں آیا تو ہاتھ روم سے مومو کی لہکائیاں کرنے کی آواز سن کر ٹھنک گیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ ہاتھ روم سے برآمد ہوئی تھی۔

”ابھی تھوڑا ریٹ کر لو، مندی کے فنکشن میں کافی ٹائم ہے۔“ معظم نے اسے بیڈ پہ بٹھانا چاہا۔

”نہیں میں اب ٹھیک ہوں، نیچے جا کر چائے لیتی ہوں۔“ اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو فریش ظاہر کیا اور پھر اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی تھی مگر وہ زیادہ دیر اپنے قدموں پہ قائم نہ رہ سکی۔ پیڑھیاں اترتے ہوئے چکر اگئی وہ لڑکھڑاکے گرنے کو تھی کہ معظم نے یکدم اسے سنبھال لیا۔

”مومو! مومو! اس نے بریشانی سے اسے پکارا۔

”کیا ہوا مومو کو؟“ نشاط بیگم بھی دیکھ چکی تھیں۔

”پتا نہیں پیڑھیاں اترتے اترتے چکر اگئی ہے۔“

معمظم اسے اٹھا کر بیڈ روم میں لے آیا تھا۔ اریبہ تو مندی کے فنکشن کے لیے تیار ہو رہی تھی اس لیے اسے پتا نہ چلا البتہ امانہ بھاگتی ہوئی آئی تھی اور یہی اطلاع راہداری میں داخل ہونے والی سزملکہ آفاق کو ملی تھی۔

”میری مومو کو کیا ہوا؟“ وہ لپک جھپک معظم اور مومو کے بیڈ روم میں پہنچی تھیں۔

”چکر اگے گر گئی تھی! آکر فون کر دیا ہے۔“ نشاط بیگم نے تسلی دی۔

”مومو! آنکھیں کھولو بیٹا!“ ملکہ آفاق اس کے قریب بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اس کا رخسار چھکتے ہوئے بولیں۔

پھر مقدم جاہ کے بلانے پر وہ طوعاً کرہاً مہمانوں کا استقبال کرنے کے لیے نیچے آ گیا تھا۔

”مبارک ہو، میں دادی بننے والی ہوں۔“ نشاط بیگم مٹھائی کی پلیٹ لے کر ان دونوں باپ بیٹے کے قریب آ گئیں۔

”اور میں دادا۔“ مقدم جاہ تقبہ لگا کر ہنسنے اور معظم حیرت اور خوشی کے طے جلتے تاثرات سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”باپ بننے کی مبارک ہو۔“ نشاط بیگم نے مٹھائی اس کے منہ میں ٹھونس دی وہ جھینپ گیا تھا۔ اور انہوں نے بے ساختہ پار سے اس کی پیشانی چوم کر دعائیں دی تھیں۔ آج ان کے لیے وہ ہری خوشی کا دن تھا۔ ملکہ آفاق کو تو جیسے ہفت اقصیم کی دولت مل گئی تھی۔ وہ

معظم اور مومو کے واری صدمے جاری تھیں۔ انہوں نے مومو کی نظر اتارنے کے لیے اپنا پورا پر س خالی کر دیا تھا۔ میراں بیگم اپنے شوہر اور بیٹے کے ساتھ وہاں پہنچیں تو یہ خوشخبری ان کی منتظر تھی۔ ان سب کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ ہندی کالنگکشن شروع ہوا تو اریہ مومو کے بیڈ روم میں اس سے مل کر نیچے آئی تھی مومو کو ڈاکٹر نے رست کرنے کی تاکید کی تھی۔!

جب سے اریہ رخصت ہوئی تھی گھر ایک دم سے خاموش سا ہو گیا تھا۔ اب گھر پر مومو اور امانہ ہی ہوتی تھیں۔ معظم ایک بار پھر آفس اور کاروبار میں بڑی ہو چکا تھا لیکن مومو کا دھیان رکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔ آفس جا کر بھی پورا دن اسے ہی فون کرتا رہتا۔

”کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا میں واپس پہلے آؤں گا۔“ اس نے سچ کے بعد کال کی تھی۔ ”ہوں ضرورت تو ہے۔“ وہ آگے سے بولی۔ ”کس چیز کی؟“ وہ اپنے دھیان میں تھا۔ ”آپ کی۔“ مومو کا بیٹھا انداز اور لہجہ اس کے کانوں میں رس کھول گیا تھا۔

”آجاؤں؟“

”آجاؤ۔“ وہ بھلا کب انکار کرنے والی تھی۔ اس نے فون بند کر دیا تھا اور مومو نے کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے تھے باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور ہوا کے ذریعہ بارش بھی جھومتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

معظم کی محبت اور توجہ بھی اس کے لیے اس بارش کی طرح ہی ثابت ہوئی تھی۔ جنہوں نے اسے سرگیا بھگو کے رکھ دیا تھا۔ اور اس کا تن من جل تھل ہو گیا تھا۔ وہ چاہتوں کی بارش میں بھیگ کر مسرور اور سرشار سی رہنے لگی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ معظم اسے اس قدر چاہے گا کہ وہ اپنا آپ بھی بھول جائے گی۔

”گڈ نون۔“ وہ بے قدموں اس کے قریب اس کے عقب میں آگھڑا ہوا تھا۔ ”آئی جلدی آگئے؟“

”تم بلاؤ اور میں دیر کروں؟“ وہ اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

”آپ مجھ سے اتنا پیار نہ کیا کریں کہ میں مغرور ہو جاؤں۔“

”تمہارا حق بنتا ہے کہ تم غرور کرو۔“ اس نے کہتے کہتے جسارت کر ڈالی مومو سمٹ گئی تھی۔

”غرور کے ٹوٹے سے ڈر لگتا ہے۔“

”ہر ذل سے نکال دیا رہا!“

”میں؟“

”تم۔“ تم میرے ہو یاں؟“ وہ معظم کا ہاتھ اپنے دل پہ رکھ کر پوچھ رہی تھی۔ مومو کے اندر کا خوف اس سوال کے بعد اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

”ہاں صرف تمہارا۔“ اس نے بڑے مضبوط انداز میں جواب دیا تھا اور مومو کا کار کا ہول سانس بحال ہوا تھا۔

چہرے پہ ہلکی سی خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

”پہلا بچہ اپنے میکے میں ہی ہوتا ہے۔ اب وہ میرے ساتھ گھر چلے اور پھر ڈیوری سے فارغ ہو کر آپ لوگوں کے پاس آجائے گی۔“

ملکہ اتفاق آج مومو کو لینے کے لیے آئی ہوئی تھیں۔ نشاط بیگم نے معظم کو دیکھا وہ ان کی خواہش پہ کلن کھجاکے رہ گیا۔

”کیا بات ہے گیا ہو رہا ہے؟“ مومو بھی دیں بھلی آئی تھی۔

”تمہیں لینے کے لیے آئی ہوں بیٹا!“ ملکہ اتفاق نے فوراً اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔

”وہ تو یہ بات ہے۔“ مومو نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور معظم کی طرف دیکھا وہ لا تعلق سا بیٹھا تھا۔

”تم اپنی تیاری کر لو میں وٹ کرتی ہوں۔“ مسر

ملکہ اتفاق نے اطمینان سے صوفے کی بیک سے سر نکاتے ہوئے کہا اور ہاتھ میں پکڑے چائے کے کپ کو ہونٹوں سے لگایا۔

”لیکن مام! ابھی تو ڈیوری میں کلنی دن ہیں۔“

مومو نے ذرا ہنچکتے ہوئے کہا۔ وہ جانتی تھی کہ مام اسے کتنے شوق سے لینے کے لیے آئی ہیں لیکن معظم اتنے دن پہلے اس کے جانے کے حق میں نہیں تھا اسی لیے اس نے بہانا بنا دیا وہ خود بھی معظم سے اتنے دن دور نہیں رہ سکتی تھی۔

”ارے تو کیا ہوا؟ تم پندرہ دن میرے پاس نہیں گزار سکتیں؟“ نہیں اچھا ہوا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے مام! وہ دراصل۔“ مومو سے کوئی بہانہ نہیں پڑا۔

”ملکہ! تم خود سیالی ہو۔“ سمجھنے کی کوشش کرو، نیچے اک دوسرے سے دور نہیں رہنا چاہتے۔“ نشاط بیگم نے ہنستے ہوئے معنی خیزی سے سمجھایا اور وہ دونوں ی فقت سے جھینپ گئے تھے۔

”مام پلیز! آپ ہائڈ مت کیجیے گا۔ میں ایک ہفتہ پہلے آجاؤں گی۔“ مومو نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ مومو کی لجاجت پہ ہنس پڑی تھیں بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

”اب تم کیوں منہ لٹکا کے بیٹھے ہو؟ خوش ہو جاؤ وہ نہیں جاری۔“ ملکہ اتفاق نے معظم کو چھیڑا۔ وہ ہنس دیا تھا۔

”تم نے میری بیٹی کو اپنے جال سے قید کر لیا ہے۔“

”آپ کی بیٹی بھی کم نہیں ہے۔ ہر طرح کی زنجیر میرے پاؤں میں ڈال دی ہے اب چاہوں بھی تو آزاد نہیں ہو سکتا۔“ اس نے محبت پاش نظروں سے مومو کو دیکھا۔ وہ نظر جھکا گئی، ملکہ اتفاق اور نشاط بیگم ہنس پڑی تھیں۔!

نواں مہینہ شروع ہوتے ہی معظم شاپنگ پر اصرار کرنے لگا اور وہ روزانہ اپنی طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا

کر اسے ٹال دیتی لیکن آج وہ آفس سے چھٹی بھی کر چکا تھا اس لیے اس کا ٹھکانا ممکن تھا۔ وہ کبل میں دبی سو رہی تھی جب معظم نے بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھے ہوئے اس کے چہرے سے کبل ہٹا لیا تھا۔

”ہیلو ڈارلنگ؟“ اس نے مومو کے چہرے سے بل پیچھے ہٹائے اور گیسر آواز میں پکارا۔

”سوٹ پارٹ آج کون سا پہنا تیار ہے؟“ اس نے مومو کو چھیڑا۔

”آج بستر سے اٹھنے کو بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا“ دل بھی بہت ادا ہے۔

”میرے ہوتے ہوئے اداسی؟“ اسے تعجب ہوا۔

اب مومو اسے کیا بتاتی کہ بہت عرصے بعد اس نے مر کو خواب میں دیکھا ہے اور اسے روتے ہوئے حل سے بے حل دیکھا ہے۔ اس نے بل سیٹے اور بیڈ سے اتر آئی۔

”شاپنگ پہ چلو گی؟“

”ہوں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اوکے تو پھر تیار ہو جاؤ۔“ وہ اس کا چہرہ تھپک کے باہر چلا گیا۔ مومو تیار ہو کر نیچے آئی۔

معظم گاڑی میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

”بیٹھے میڈم! آپ کے انتظار میں تو ہوا ہو گیا ہوں۔“ اس نے دروازہ کھول دیا وہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

”میں نے چیزوں کی لسٹ بنا رکھی ہے یہ دیکھو یہ ساری چیزیں خریدنی ہیں کوئی کم ہے تو تم لکھ دو۔“ اس نے جیب سے ایک لسٹ نکال کر مومو کو تھما دی اور مومو حیران پریشان دیکھتی رہ گئی۔

”یہ لسٹ کب بنائی آپ نے؟“

”رات ایک بجے جب تم گہری نیند سو رہی تھیں۔“ اس نے فخریہ بتایا۔

”اتنی فکر کتنا خیال ہے اپنے بچے کا؟“ وہ حیرت اور بے یقینی سے پوچھ رہی تھی۔

”اتنی فکر اور اتنا خیال نہیں بلکہ اتنی محبت ہے اپنے بچے سے۔“ وہ محبت پہ زور دے کر بولا تھا۔

وہ کافی گھومنے پھرنے کے بعد واپس آئے تو دونوں
کے موڑ دیارہ سے فریض ہو چکے تھے جس بات پر معظم

تو نکاح تو کر لے لی مگر ہماری طرف سے اس کا دل صاف نہیں ہو گا جبکہ دوسرے طریقے میں اسے

زیشان احمد، ملکہ کو پرہاتے تھے لیکن نظیر کرم میراں
تھی۔ اس چیز سے بے خبر کہ ملکہ محبت کے سفر میں
تفتنی آگے جا چکی ہے لیکن جب ان کا پریونل میراں

کے لیے آیا تو ملکہ خاک ہو گئی۔ دل تھا کہ بھڑ بھڑ جل اٹھا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے دستان احمد ہنسی خوشی اپنی چاہتوں کی ڈولی سجا کے لائے اور میراں کو رخصت کروا کے لے گئے۔

پروفیسر دستان احمد ملی لحاظ سے خاصے کمزور تھے لیکن میراں صابر و شاکر تھی۔ وہ ان کے ساتھ ہر حال میں خوش تھی اور ان کی خوشیاں ملکہ کا خون دیتی رہیں۔

اور پھر ایک روز مقدم کے دوست آفاق کارپونل ملکہ کے لیے آیا جسے ملکہ نے فوراً قبول کر لیا تھا بلکہ جو کچھ دل پہ سہ چکی تھی وہ بس وہی جانتی تھی۔ اس نے دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کوشش کر لی۔ آفاق انتہائی امیر و کبیر فیملی سے تھا ملکہ اپنی خوشیاں دولت اور جائیداد سے ظاہر کرتی رہی لیکن دل کی آگ نہ بجھتی۔

آفاق رضوی نے انہیں بے پناہ محبت دی مگر پھر بھی وہ دستان احمد والا دل سے نہ مٹا سکیں مگر مومو کی پیدائش نے کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ بھل گئی تھیں ان کی ساری محبتیں مومو کی طرف مڑ گئیں۔ ہر جذبہ پہ مٹا کا جذبہ حاوی ہو گیا تھا۔

آفاق رضوی کی لہک سیڈنٹ سے ہونے والی حادثاتی موت نے بھی کافی عرصہ انہیں دھچکے کی سی کیفیت میں رکھا لیکن پھر بیٹی کی خاطر وہ رفتہ رفتہ سنبھل گئی تھیں۔

اپنا گھر بیچ کر مقدم بھائی کے ساتھ والا گھر خرید لیا اور شوہر کے کاروبار کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ تعلیم مکمل کی اور ساتھ میں یونیورسٹی تک پڑھ لیا۔ یوں وہ وطن بہ وطن ترقی کرتی گئیں لیکن اگر کبھی ذرا دیر کے لیے گھر کر دیکھا تو ہر دل غم سینے پہ تازہ ہی لگا اور یہ دل غم اس وقت جل اٹھے جب مومو معظم کے لیے تڑپ تڑپ کے روٹی نظر آئی۔

معمظم کی انگلیچ منٹ کی رات انہوں نے مومو کو تو ٹریکولر زبردے کر سلا دیا تھا لیکن خود ساری رات جاگتی رہی تھیں اور رات بھر جاگنے کے بعد انہوں نے ایک

فیصلہ کیا تھا۔ میراں کی بیٹی کو راستے سے ہٹانے کا فیصلہ اور اس فیصلے کو حتمی و درانی کے نام سے اور بھی مضبوط کر دیا تھا۔

جیسے ہی انہیں مر اور حتمی و درانی کے قصے کا پتا چلا انہوں نے فوراً دستان سے رابطہ کیا تھا اور اس کے اغوا کا پورا پلان ترتیب دے ڈالا تھا۔ صرف اس شرط پہ کہ وہ بھی کسی کے سامنے ملکہ آفاق کا نام ظاہر نہیں کرے گا۔ یوں مر کو اغوا کرنے والا حتمی و درانی ہی تھا لیکن اسے اغوا کرنے کے بعد ملکہ آفاق کے فارم ہاؤس کے بیس منٹ میں رکھا گیا تھا۔ مر کو آنکھوں پہ پٹی باندھ کے وہاں لایا گیا اور ملکہ آفاق کے پلان کے مطابق اس سے زبردستی فون کل کروائی تاکہ معظم اس سے بدظن ہو جائے لیکن وہ کل کرنے کو تیار نہیں تھی جس پہ مر کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا مگر وہ پھر بھی نہیں مانی تھی بلکہ آخر ملکہ آفاق نے حتمی و درانی کو مشورہ دیا کہ وہ معظم کے قتل کی دھمکی دے جس پہ وہ مان جائے گی اور ایسا ہی ہوا معظم کے قتل کا سن کر وہ رنہ سکی اور جو کچھ حتمی نے کہا وہ سب فون پہ معظم سے کہہ دیا تاکہ معظم اس کا انتظار نہ کرے اور شادی کر لے۔ شادی کے لیے آس پاس اور کوئی لڑکی نہیں تھی سوائے مومو کے۔ اور ان کی سوچ کے مطابق مقدم جاہ اور نشاط بیگم کی نظر انتخاب مومو پہ آٹھری گئی۔

وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھیں لیکن اتنی جلدی مر کو آزاد نہیں کر سکتی تھیں انہیں پتہ تھا کہ معظم کے دل کی سر زمین پر قدم حملے کے لیے مومو کو وقت لگے گا اور اس وقت کے لیے انہوں نے مر کو قید کیے رکھا مومو اب بچے کو جنم دینے والی تھی وہ دونوں خوش تھے اور ملکہ آفاق بے فکر۔ انہیں اب کوئی ڈر نہیں تھا۔

مر بچھلے کئی دنوں سے بیمار تھی۔ اسے بخار رہنے لگا تھا۔ وہ حال سے بے حال ہو گئی تھی اسی لیے اب وہ حتمی سے کہہ رہی تھیں کہ اسے آزادی کا پروانہ سونپ دے مگر حتمی نہیں مان رہا تھا۔ وہ اپنی شادی کے لیے گارنٹی چاہتا تھا اور ملکہ آفاق اسے گارنٹی دے رہی

تھیں حالانکہ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ یہاں تو بلی کی بھی گارنٹی نہیں ہے!

معمظم کے ہاتھ میں دیا مومو کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا۔ اس نے تڑپ کے معظم کی طرف دیکھا اس کے چہرے پہ کسی زلزلے کے سے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ مومو کو ایک نظروں دکھا اور مومو قہر کی آگ نظر سے ہی مر گئی۔ وہ پلٹ گیا تھا اور یہ کیسے ممکن تھا کہ مومو بچھے نہ آئی حالانکہ اسنے بھاری وجود کے ساتھ اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ گرتی پڑتی بیڑھیاں اتری تھیں اور اس کے پیچھے واپس گھر آ گئی۔ راستے میں اس نے المیہ نشاط بیگم نے پکارا مگر وہ سیدھی بیڈ روم میں آئی تھی۔ معظم بیڈ پہ بیٹھا تھا اور دونوں ہاتھ اپنے بالوں میں پھنسا رکھے تھے۔

مومو کا دل لرز رہا تھا۔ خوف سے جسم بھی کانپ رہا تھا۔ اس کی ماں نے کس قیامت کا کھیل کھیلا تھا۔ مومو کا دل پھٹ رہا تھا۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھا تھا اور وہ اضطراب کا شکار تھی۔

”معمظم!“ اس نے معظم کو پکارا۔

”خاموش!“ اس نے انتہائی پتھر پلے لہجے میں اسے چپ کروا دیا مومو کے قدم لڑکھڑا گئے۔ معظم بیڈ سے اٹھ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

”مجھے صرف اتنا بتا دو مول آفاق کہ میں تمہارا ہوں یا مرنے والا؟“ وہ مزجس نے میری خاطر علم خرید لیا؟ جیتے ہی مر گئی؟ اور میں اس پہ لعنت بھیج کر خوشیاں منا رہا ہوں؟ بتاؤ مجھے میں کس کا ہوں؟ کس کا نصیب ہوں؟ مجھے کس کا بتایا گیا ہے؟ جاؤ بتاؤ مجھے نہ سہی اپنی ماں کو بتاؤ۔“

وہ چیخ اٹھا تھا۔ مومو کی آنکھوں میں آنسو جم گئے۔

”معمظم!“ وہ زبر لب ہوئی۔

”مر گیا تمہارا معظم!“ وہ دھاڑ اٹھا۔ مومو وہ قدم پیچھے ہٹ گئی۔

اس کا سب کچھ لٹ گیا تھا۔ صرف اس کی ماں کی

دجہ سے۔ معظم کمرے سے باہر نکل رہا تھا جب پیچھے دھڑام کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے یکدم پلٹ کے دیکھا مومو کھڑے قدم سے گری گئی تھی۔ وہ معظم کی بے رحمی کی تک کیسے لاتی؟

”مومو!“ معظم نے لپک کے اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

”یہ سب کس کے لیے ہے؟“ ملکہ آفاق اپنے کمرے سے باہر آئیں تو ٹرائی میں سارے لوازمات دیکھ کر ٹھہر گئیں۔

”چھوٹی بلی اور معظم صاحب کے لیے۔“

”کہاں ہیں وہ؟“ انہیں خوشی ہوئی تھی۔

”وہ تو چلے گئے۔“

وہ سب کو گولی مار دیں۔ لیکن وہ بے بس تھیں فرش پر بیٹھی رو رہی تھیں بین کر رہی تھیں جب اچانک آپریشن تھمیر کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ڈیاہر آئے۔ معظم لپک کے ان کے پاس گیا تھا۔

”آپ کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم آپ کی پوائنٹ کونہ بچا سکے۔“ ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پھر پاس سے گزر گئے۔ وہاں موجود سب لوگ دم بخود رہ گئے۔ صرف ملکہ اتفاق تھیں جو بلند آواز سے رو رہی تھیں۔ معظم در انو فرش پر بیٹھا تھا۔

”مومو! اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا تھا۔“



مرکی واپسی اور ملکہ اتفاق کا سب کچھ جھوڑ چھا ڈاکر نے کہاں رو پوش ہو جانا سب کے لیے حیرانی دل حیرانی تھی۔ کوئی اس کشتی کو سلجھا نہیں پایا تھا۔ مومو کا ہارٹ فیل کیوں ہوا؟ یہ بھی اک معمر تھا جو حل ہو کے نہیں دے رہا تھا۔ اور اس سارے قصے میں اک معظم جاہ تھا جو سب جانتا تھا لیکن پھر بھی گونگے سرے لوگوں کی طرح دیکھتا اور سنتا رہا۔

ملکہ اتفاق کے دکھ، حسد، جلن اور انتقام کھودے ہوئے گھرے میں مومو گر گئی تھی۔ یہ اذیت ہی ملکہ اتفاق کو درد کر گئی۔

اور معظم ان کی اذیت کو خوب سمجھتا تھا لیکن ہر چیز سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے بیٹے میں گم رہتا تھا۔ وہ بیٹا جس کی صورت معظم جیسی اور آنکھیں مومو جیسی تھیں، یعنی معظم کے چہرے پر مومو کی آنکھیں تھیں۔

مر بھی اکثر اس کے بیٹے کو دیکھتی رہ جاتی اور پھر بے ساختہ اسے سینے میں بچھنے لگتی تھی۔

بڑی شدت اور محبت کے ساتھ۔



”چلے گئے مگر کیوں؟“ نہیں اچھبھا ہوا تھا۔

”آپ سے ملنے آپ کے بیڈ روم میں گئے لیکن پھر تھوڑی دیر بعد چلے گئے۔“

”میرے بیڈ روم میں؟“ وہ ٹھٹھک گئیں۔ ان کے دماغ میں خطرے کا الارم بجا تھا۔

”تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔“ ان کے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آیا تھا۔

”مجھے کیا پتا تھا کہ آپ کو اتنا ضروری ہے؟“ ملازمہ معصومیت سے بولی۔

”اف جاؤ دفع ہو جاؤ۔“ وہ ملازمہ پہ چیخ اٹھیں لیکن اچانک مقدم جاہ کے گھر سے اٹھنے والا شور ان کی جان نکل گیا تھا۔

”مومو کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے؟ ابھی ابھی ٹھیک ٹھاک گھر آئی تھی۔“

نشاط بیگم رو رہی تھیں۔ معظم اسے ہسپتال لے کر جا چکا تھا۔ پیچھے ہی ان سب کی گاڑیاں بھی روانہ ہو گئی تھیں لیکن ہسپتال پہنچ کر ملکہ اتفاق کو پتا چلا کہ مومو کا دل تو بہت کمزور بہت نازک تھا جو کچھ وہ سن چکی تھی وہ کیسے سہہ پاتا؟ اور اس کی کنڈیشن کا سن کر وہ بالکل ہو گئی تھیں۔ اس کے بچنے کے چانسز بہت کم تھے۔

”معظم تم نے۔۔۔ تم نے اس سے کچھ کہا؟“ وہ معظم کا گریبان پکڑ چکی تھیں۔

معظم نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ۔

”کیا میرے کہنے کی کوئی کسری تھی؟“

اس کے بعد وہ چیخ چیخ کر نجانے کیا کیا کہتی رہیں اور وہ چپ چاپ سنتا رہا۔

”مومو مر جائے گی معظم! میں جانتی ہوں میری مومو مر جائے گی۔“ انہیں اور اک ہو چکا تھا کہ وہ کیا کچھ سن چکی ہے؟ اور اسی سینے کا درد انہیں رلا رہا تھا۔ اور اسی درد کے مارے وہ میراں بیگم سے بھی الجھ پڑی تھیں۔

ان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو آگ لگا دیں۔